Presented by Nudrat sahib

R. Saksena

Meerut
3/3/37

1713

غم کا سرمایہ ۔ محبت کا جو حاصل ہو گیا
وہ بالفاظ دگر خونابۂ دل ہو گیا

خونابۂ دل

یعنی

کلام ندرت

مصنفہ
ندرت میرٹھی
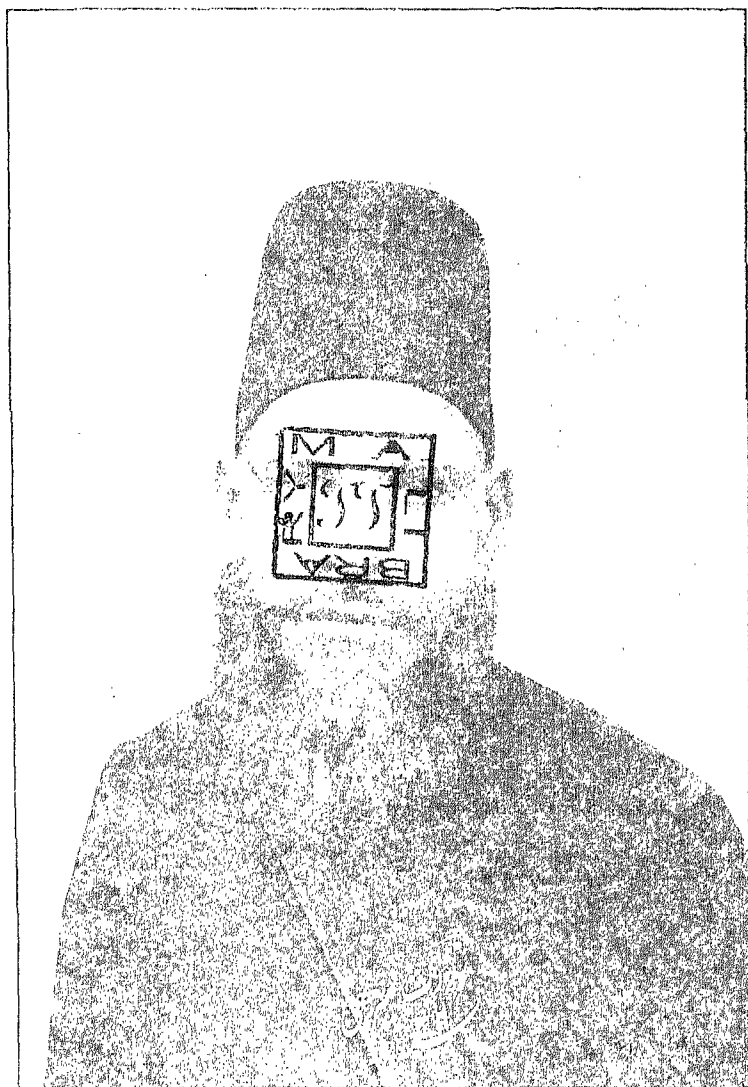
تبصرہ

از قلم جواہر رقم عالی جناب حاجی حافظ کیپٹن محمد جمشید علی خاں صاحب ایم۔ بی۔ اے۔ ایم۔ ایل۔ سی۔ نوّاب باغپت ضلع میرٹھ

لائق باپ کے لائق فرزند مولانا شعیب احمد صاحب ندرت کی ذات مستجمع صفات سے موجودہ دنیائے ادب میں کون واقف نہیں، میرٹھ کو بجا طور پر یہ فخر ہے کہ وہ دورِ حاضرہ کے ایک ممتاز سخن گو کا مولد و مسکن ہے ہر چند کہ میں اپنی کم علمی کے باعث مولانا کے کلام پر تبصرہ کرنے کے لئے اپنے کو کسی طرح موزوں نہیں خیال کرتا اور نہ کلام کے صنائع و بدائع پر صحیح رائے زنی کر سکتا ہوں تاہم اگر شعر کی صحیح تعریف یہ ہے کہ کان تک پہنچنے کے بعد دل و دماغ کو متاثر کرے اور دماغ سے زیادہ دل کیف اندوز ہو تو بے تکلف یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت ندرت کا کلام ان تمام خصوصیات کا حامل ہے،

ہندوستان نے عدیم المثال ناظم و ناثر پیدا کئے اور اس اعتبار سے ہندوستان بلادِ مغربی سے کسی طرح کم نہیں ہے، لیکن سینکڑوں نادر الوجود ہستیاں پیوندِ خاک ہو گئیں اور ہو تی جا رہی ہیں، اور زمانہ ان کے نام تک سے آشنا نہیں، برعکس اس کے میں نے دیکھا ہے کہ دیگر ممالک اپنے شعراء کی حوصلہ افزائی و قدردانی کو اپنا ملکی فرض خیال کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُن کے ادب اور لٹریچر میں گراں قدر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، دورِ حاضرہ میں اکثر ہستیاں ایسی ہیں کہ اگر زمانہ اُن کی قدر کرتا تو وہ آسمانِ صحافت پر آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکتیں، لیکن زمانہ کی نامساعدت اور پبلک کی بے پروائی سے وہ قعرِ گمنامی میں پڑی ہوئی ہیں،

اگر یورپ کو شیکسپیر اور ملٹن پر ناز ہے تو کیا ہم غالب اور مومن پر فخر نہیں کر سکتے لیکن افسوس ہم دیکھتے ہیں کہ آج اُن کے مزارات بھی اُن کے شایانِ شان نہیں،

برخلاف اس کے یورپ کے ہر حصّہ میں ان کے مشہور شعراء کے مجسّمے۔ اُن کے نام کی سوسائٹیاں اور عمارتیں موجود ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم ایسی شخصیتوں کی جو قوم کے لئے باعثِ فخر و اعزاز ہیں حوصلہ افزائی کرکے علمی خدمات کا زیادہ سے زیادہ موقع بہم پہنچائیں۔ ہمارے ملک میں اصحاب علم و فضل کی کمی نہیں لیکن قدر شناس ہستیوں کا ضرور فقدان ہے۔

مولانا کے کلام سے چند جواہر ریزے پیش کرتا ہوں ان سے اندازہ ہوگا کہ شاعر کس قدر بلند خیال ہے اور جذبات و حسّیاتِ انسانی کا اُس نے کس قدر عمیق مطالعہ کیا ہے۔

جہاں تاثیر و جدّتِ تخیّل مولانا کے کلام کی اِک نمایاں خصوصیت ہے وہاں اُن کا طرزِ ادا بھی اِس قدر دلکش ہے کہ سُننے والا پہروں مزہ لیتا ہے۔ بڑے سے بڑے مضمون میں بھی آپ غیر مانوس تراکیب اور اجنبی الفاظ سے کام نہیں لیتے اور اپنے مفہوم کو نہایت سادہ طرز میں بے تکلّفی کے ساتھ ادا کر جاتے ہیں۔ ذیل میں مولانا کے وہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں جنھیں سہلِ ممتنع کہا جائے تو کچھ بے جا نہیں۔

آپ فرماتے ہیں ؎

سُننا کسی کی بات نہ کہنا کسی سے کچھ — اِک قسم کا سکون تو ہے بیخودی سے کچھ

یا زندگی ہی کام کی ہم کو ملی نہ تھی — یا کام ہی لیا نہ گیا زندگی سے کچھ

ہستیٔ بے ثبات کی تصویر کیسی دلکش پیرایہ میں کھینچی ہے ؎

زندگی نقشِ غلط۔ ہستیٔ انساں موہوم — اس کے معنی ہیں جو ہونا تو نہ ہونا کیا ہے

سلاستِ زبان قابلِ ملاحظہ ہے ؎

اپنی بدنامی کے ساتھ اُن کو بھی رسوا کرنا — اور اے حضرتِ دل آپ سے ہونا کیا ہے

زندگی کی الم ناک کیفیات کا مرقّع کس قدر موثر انداز میں پیش کیا ہے ؎

راحت کہیں نصیب مجھے جیتے جی نہ تھی — تھا زندگی کا نام مگر زندگی نہ تھی

احساس آشنا جو مری زندگی نہ تھی　　غم۔ غم اگر نہ تھا تو خوشی بھی خوشی نہ تھی

کچھ بڑھ گئیں تھیں دل کی ہی ایذا پسندیاں　　جور و جفا میں ان کی طرف سے کمی نہ تھی

زبان کا لطف اُٹھایئے اور پھر ردیف کا پہلو ملاحظہ کیجیئے ؎

جو مر گیا ہو اُس کی تمنّا کا ذکر کیا　　یہ بحث اب فضول ہے۔ تھی تھی۔ نہ تھی نہ تھی

خنجر کو رکھ کے میان میں بیٹھے ہیں مطمئن　　جیسے ہمارا قتل کوئی بات ہی نہ تھی

تیر۔ تیغ یا خنجر سے نظر کا استعارہ کوئی نئی بات نہیں لیکن مولانا نے جس جدّت سے کام لیا ہے اس کی تعریف نہیں ہو سکتی ؎

یہ بھی ہے واقعہ کہ جگر ہو گیا دو نیم　　یہ بھی ہے سچ کہ ان کی نظر تھی چھری نہ تھی

جوانی و پیری کی کیفیتیں جو انسانی زندگی پر اثر ڈالتی ہیں ان کے باہمی تعلّق و تفاوت کو مولانا نے عجیب انداز سے بیان کیا ہے ؎

پیری کا کسل جوشِ جوانی سے ہے دو چند　　جتنا مجھے خمار ہے اتنی تو پی نہ تھی

ایک اسیرِ قفس کے لئے فصلِ بہار مصیبت ہوتی ہے پھر اس میں بال و پر کا پیدا ہونا اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے اِس خیال کو کس قدر لطیف پیرایہ میں ظاہر کیا گیا ہے ؎

قفس میں پھر سے تڑپانے کو پھر فصلِ بہار آئی　　وہی پھر بال و پر کمبخت پیٹے کو لہو نکلے

لالۂ و گُل اپنی چند روزہ بہار پر نازاں ہیں لیکن وہ فی الحقیقت قرض ہے جو خاک سے لیا گیا ہے اور خاک ہی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ کتنا پاکیزہ تخیّل ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

ہوا بانہ ھیں گے بازارِ جہاں میں لالۂ و گُل بھی　　زمیں سے قرض لے لے کر متاعِ رنگ و بُو نکلے

ایک وفادار کے قتل کے بعد گویا پھر کوئی ایسا مردِ میدان پیدا ہی نہیں ہوا جس پر قاتل اپنی تیغ کی آزمائش کرے۔ کیا خوب ہے ؎

بعد میرے مردِ میدانِ وفا کوئی نہ تھا — آج تک وہ تیغ خوں آلود زنگ آلود ہے

دل کی بربادی کا منظر اس سے زیادہ اور کیا دردناک ہو سکتا ہے ۔

اب مری آنکھیں ہیں اور منظرِ ویرانیٔ دل — کیوں بسائی تھی یہ دُنیائے خیالی میں نے

ذیل کے شعر میں "جلوہ گہ عام" نے جو معنویت پیدا کی ہے اس کی کیا تعریف کی جائے ۔

جب یہیں اُن کو نہ دیکھا تو ہمیں کیا اُمید — حشر بھی جلوہ گہِ عام رہے یا نہ رہے

ایک اسیرِ دام جو بے اختیارانہ تڑپتا ہو اُسے انجام کی کیا پروا ہو سکتی ہے اس لئے وہ صیّاد کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ۔

جب تڑپنا ہی ہے پھر تجھ کو غرض کیا صیّاد! — میں رہوں یا نہ رہوں، دام رہے یا نہ رہے

مندرجۂ ذیل اشعار نہ صرف تغزّل بلکہ ادبیت کی بھی جان ہیں، سلاست و حُسنِ ادا کے علاوہ ردیف کے پہلو بھی نہایت ہی پُر لطف ہیں ۔

بیدادِ ناروا کی شکایت روا تو ہے — اے دل مگر خلافِ شعارِ وفا تو ہے

سرکشی کے باوجود شانِ غفّاری پر کس قدر ناز اور بھروسہ ہے ۔

عاصی ہیں مغفرت کا مگر آسرا تو ہے — گو ہم نہیں خدا کے ہمارا خدا تو ہے

الفاظ کی نشست و ترکیب قابلِ ملاحظہ ہے ۔

دیکھا ہے ان کو، ان کی شکایت بجا تو ہے — ہم نے خطا تو کی ہے، ہماری خطا تو ہے

دل عاشقی سے پہلے کسی کام کا نہ تھا — اب کچھ دنوں سے برسرِ کارِ وفا تو ہے

او مرنے والے اُٹھ کہ وہ آئے ہیں قبر پہ — اب انتظار کیا ہے؟ قیامت بپا تو ہے

کنایہ تلمیح غور طلب ہے ۔

کھو دیتے ہو تم ایک ہی جلوے میں عقل و ہوش — دیکھا نہیں نگاہ سے لیکن سُنا تو ہے

قرار آشنا کا ٹکڑا کس قدر معنی خیز اور پُر لطف ہے ۔

وہ کہہ رہے ہیں رکھ کے دلِ مضطرب پہ ہاتھ   کچھ کچھ یہ بے قرار قرار آشنا تو ہے

زخمِ جگر کی دوا اِس سے بہتر کیا ہو سکتی ہے۔

مرہم اگر نہیں ہے تو خنجر ہی کھینچ لے   زخمِ جگر کی ہاتھ میں تیرے دوا تو ہے

ذیل کے اشعار میں ندرتِ خیال کے ساتھ روزمرّہ بالخصوص محاورات کا محل صرف ادبیت کا آئینہ دار ہے۔

وحشتِ غربت میں کفن کا دینے والا کون تھا   خاک کے ذرّوں نے کی مل جل کے تن پوشی مری

آڑی جوشِ جنوں کی اک اسیری دوست نے   پاؤں پھیلائے سلیقے سے سلاسل کے لئے

تیرا شکوہ روزِ جزا ہم کریں گے   ارے بدگماں ڈر خدا کے غضب سے

کر دیا دے دے کے دل لذّت شناسِ غم مجھے   خوش نہ ہو تم، تم نے رکھا عمر بھر خورم مجھے

آج ہی روشن ہوا ہے میری تربت پر چراغ   آج ہی گورِ غریباں کی ہوا بھی تیز ہے

نزع میں تو نے سنائی اُن کے آنے کی خبر   یہ تو اے قاصد دروغ مصلحت آمیز ہے

صورت ہی غم میں کاشفِ حالات ہو گئی   جس بات کا تھا خوف وہی بات ہو گئی

مجھ سے اگر نشے میں کوئی بات ہو گئی   نیچی جنابِ شیخ کی کیا ذات ہو گئی

مانا کہ چھیڑ سے وہ دغا باز کہہ گئے   ندرت کے واسطے تو بڑی بات ہو گئی

تھام لے دل کو بھی اے توڑنے والے دل کے   تیر بن جاتے ہیں دل کے لئے نالے دل کے

چٹکیاں لیں مگر ارمانوں کو چھیڑا نہ کبھی   تم نے چبھتے ہوئے کانٹے نہ نکالے دل کے

پلا دیتا ہے چلّو ہی سے مجھ کو پیرِ میخانہ   لبوں تک آ کے رہ جاتا ہے شکوہ تنگ دستی کا

اشکوں میں بہا کر دل کو بھی ہم نے تو نتیجہ دیکھ لیا   تقدیر کا رونا اب بھی ہے تقدیر کا رونا جب بھی تھا

خاک ہو کر بھی نہ پہنچے منزلِ مقصود تک   ہائے دامن بھی نہ ہاتھ آیا کسی رہگیر کا

آپ اگر دامن جھٹکتے ہیں تو گستاخی معاف ‌ ‌ ‌ سر چڑھے گا ذرّہ ذرّہ خاکِ دامنگیر کا
ٹوٹتی جاتی ہے رہ رہ کر تڑپنے کی اُمید ‌ ‌ ‌ چھوٹتا جاتا ہے دل اک قیدِ بے زنجیر کا

خاک میں جب میرا جسمِ ناتواں مل جائے گا ‌ ‌ ‌ ظلم ڈھانے کو زمیں سے آسماں مل جائے گا

وہ ہنسیں لاش پہ احباب کریں غم میرا ‌ ‌ ‌ اس کی قدرت کا تماشا ہے کہ ماتم میرا
چاکِ دل۔ چاکِ گریباں ہے چمن میرے بعد ‌ ‌ ‌ سوگ پھولوں میں ہے غنچوں میں ہے ماتم میرا

کر چکے ہم آج تک ضبطِ فغاں اچھی طرح ‌ ‌ ‌ کان اپنے کھول لے اب آسماں اچھی طرح
تنکے اُڑ کر آج تو میرے قفس تک آئے ہیں ‌ ‌ ‌ باغ میں لوٹا گیا ہے آشیاں اچھی طرح
زندگانی میری دونو کے لئے اک روگ تھی ‌ ‌ ‌ اب زمیں اچھی طرح ہے آسماں اچھی طرح
کہتے کہتے جی بھر آیا۔ کیا کہیں ہم رو دیئے ‌ ‌ ‌ سن رہا تھا کوئی غم کی داستاں اچھی طرح

واہ رے جوشِ بہار اپنی خبر لیتے نہیں ‌ ‌ ‌ پھول ہنستے ہیں مرا چاکِ گریباں دیکھ کر
ناتوانی حیلہ ہے۔ افتادگی اک عذر ہے ‌ ‌ ‌ پاؤں پھیلائے ہیں ہم نے کوئے جاناں دیکھ کر

ہر ذرّہ تری راہ کا ہے طالبِ تعظیم ‌ ‌ ‌ سر سامنے کس کس کے جھکاؤں کہ ہے سر ایک

یہ وحشت کیا قفس میں عمر ہی جب کاٹنی ٹھہری ‌ ‌ ‌ نگاہوں میں مری پھرتا رہے گا آشیاں کب تک

مجرمِ افشائے الفت کون ٹھہرا حشر میں ‌ ‌ ‌ میں تو دامنگیر ہی تھا وہ گریباں گیر ہیں
آتشِ پنہاں ہے اے ناوک فگن آہن گداز ‌ ‌ ‌ دل سے نکلیں گے سلامت کس ہوا میں تیر ہیں
چلا دیئے پاکر اشارہ سخت جانوں کی طرف ‌ ‌ ‌ جیسے تم نادان ہو ایسے ہی سیدھے تیر ہیں

تمہارا حسن ہے اک دیکھنے کی چیز دنیا میں ‌ ‌ ‌ علاوہ اس کے جو کچھ ہے ہم اس کو غم سمجھتے ہیں

نصیبِ دشمناں جو گاہے گاہے ہوتی ہو حاصل
خوشی کو بھی ہم ایسی اک طرح کا غم سمجھتے ہیں

وہ اگر ہم سے نہ پوچھیں گے ہمارا حالِ دل
ہم بھی اپنی بات کے پورے ہیں کہنے کے نہیں

فضا کیسی بدل دی چار تنکوں کی تباہی نے
نشیمن بھی مرا اک چیز تھا گویا گلستاں ہیں

شرط ہے سنگِ درِ دوست کا ملنا اک بار
پھر یہ سر سجدے سے اٹھ جائے تو کافر ہوں ہیں

ہائے اُس بزم میں پھر بھی مری پرسش نہ ہوئی
آپ اُٹھ اُٹھ کے کہا میں نے کہ حاضر ہوں ہیں

یہ چارہ گر جو مرے آس پاس بیٹھے ہیں
میں ان کو دیکھ رہا ہوں اُداس بیٹھے ہیں

نقاب اُٹھائے ہوئے وہ تو پاس بیٹھے ہیں
خدا کی شان ہمیں بدحواس بیٹھے ہیں

اے کاش اپنی بزم میں وہ بھی منائیں سوگ
غمِ دل کا اس جگہ ہو جہاں غم ہوا نہ ہو

ہمارا قتل اُن کے دستِ بازو پر گراں کیوں ہو
ہمارے امتحاں کے ساتھ اُن کا امتحاں کیوں ہو

فغاں کرنے ہی کو تھا دل کہ آ پہنچی اجل سر پر
خدا رکھے بھرم جس کا وہ رسوائے جہاں کیوں ہو

گرے جاتے نہیں میری خاک کے ذرّے بھی اُڑ اُڑ کر
جسے پھینکے زمیں اُس کا خریدار آسماں کیوں ہو

جہاں بجلی گری ہے کاش اک چھینٹا بھی پڑ جائے
کہ مثلِ آشیاں برباد خاکِ آشیاں کیوں ہو

مجھ سے کہتے ہیں کہ رکھنا نزع میں بھی ہم کو یاد
مدعا یہ ہے کہ مرنے میں بھی آسانی نہ ہو

تشنہ کامی کی شکایت پر یہ ہے اُن کا جواب
تجھ کو لے جا کر وہاں مارے جہاں پانی نہ ہو

زندگی دشوار مرنا شانِ ہمت کے خلاف
عاشقی کا مسئلہ بھی کس قدر پیچیدہ ہے

طوقِ عاری مجھ سے ہے زنجیر نالاں مجھ سے ہے
جو مرا ہمدم ہے وحشت میں پریشاں مجھ سے ہے

گھٹ گیا شوقِ ستم ایذا پسندی سے مری
اٹھ کر دل برداشتہ وہ دشمنِ جاں مجھ سے ہے

آپ ہی کر لیں گے اندازہ اب اس کا اہلِ حشر ۔۔۔ میں پشیماں تجھ سے ہوں یا تو پشیماں مجھ سے ہے
جنبش زنجیرِ زنداں سے بھی ایسا چونکنا ۔۔۔ اللہ، اللہ کس قدر بدظن نگہباں مجھ سے ہے

بے پردہ ترے جلوے کیا جانئے کیا ہوں گے ۔۔۔ اندوہ ربا ہوں گے یا ہوش ربا ہوں گے
ہر چند کہ محشر میں وہ جلوہ نما ہوں گے ۔۔۔ اک دن میں مگر وعدے کس کس سے وفا ہوں گے
خاروں کی عنایت سے تلوے ہیں یہاں چھلنی ۔۔۔ جو آبلہ پا ہوں گے وہ آبلہ پا ہوں گے

کوئی ہمدم ہے نہ غربت میں کوئی ہمراہ ہے ۔۔۔ یہ وہ منزل ہے جہاں اللہ ہی اللہ ہے
لوٹیے خوں ذرّوں میں ہے رنگین خاکِ راہ ہے ۔۔۔ کوئے قاتل جانئے کس کس کی شہادت گاہ ہے

سودا ہے اور سر ہے وحشت ہے اور دل ہے ۔۔۔ دنیائے عاشقی کی ہر چیز مستقل ہے
ہے دونوں ہی کے دم سے آزار کا مزا کچھ ۔۔۔ دل ہے تو غم بھی غم ہے غم ہے تو دل بھی دل ہے

میں نے اس مجموعہ سے مختصراً اقتباس کیا ہے، ناظرین خود ملاحظہ فرمائیں کہ مولانا کا رنگِ تغزل، سوز و گداز، جوش، شوخی، ادا بندی وغیرہ کیسی کیسی خوبیوں اور دل چسپیوں کا سرمایہ دار ہے،

میں دعا کرتا ہوں کہ یہ مجموعہ قبولیت عامہ حاصل کرے اور زمانہ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھے،

جمشید

خورشید منزل باغپت

مقدمہ

از جناب حاجی بدرالدین احمد صاحب انور رئیس ٹول ضلع میرٹھ
سجادہ نشین درگاہ حضرت مخدوم سراج الدین صاحب چشتی

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے

(۱)

زمانہ کے ہاتھوں تکالیف کی حد ہوگئی ہے، رہ ہوں کے نامراد مرض نے کسی کام کا نہیں رکھا، دو سطریں لکھنا دو بھر اس کے علاوہ دیگر عوارض اور حوادث کا آماجگاہ بن گیا ہوں ایسی صورت میں حیراں ہوں کہ دل کے اُن جذبات محبّت و عقیدت کو جو مولانا ندرت اور ان کی شاعری کے ساتھ ہیں صفحۂ قرطاس پر کس طرح مرتسم کروں،

(۲)

تعارف، تبصرہ یا مقدمہ اُس چیز کے لئے درکار ہے جو منزلِ شہود میں پہلی مرتبہ جلوہ گر ہو، مولانا ندرت ہندوستان کے مسلّم الثبوت اُردو شاعری کے اساتذہ میں سے ہیں اُن کا کلام ربع صدی سے زائد سخن شناس حضرات سے خراجِ تحسین لے رہا ہے، ان کی شاعری اُردو کی جان ہے، اُن کا دیوان آپ کے سامنے ہے، جس میں انسان اور انسانیت فطرت عشق و محبّت کے نازک سے نازک پہلوؤں پر جس روانی اور یکسانیت پُر تہذیب متانت کے ساتھ اظہارِ خیال کیا گیا ہے خود داد حاصل کر رہا ہے اور کرتا رہے گا،

(۳)

ندرت کی ہستی قدرت کے فیّاض ہاتھوں نے گوناگوں صفات کا مجموعہ بنادی ہے، مجھے اُن سے تعارف کا فخر اُس زمانہ سے حاصل ہے جسے "دیوانگی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، عنفوانِ شباب میں متانت اور تہذیب کا دامن بڑے بڑوں سے چھوٹ جاتا ہے ایسے پُرجوش زمانہ میں جبکہ جوان شاعر ارمانوں کی دُنیا لئے پھرتا ہے اگر اُس کی شاعری میں کہیں عریانی کی جھلک آجائے تو اُسے "معذوری" کہہ سکتے ہیں، مولانا اُس وقت بھی مولانا تھے ہاں یہ دوسری بات ہے کہ زاہدِ سی زاہدِ خشک نہ تھے، اِس لئے جذبات لطیف کے اظہار میں نہ انتہا کی شوخی تھی نہ اس قدر "مولانا پن" کہ ان کا کلام ممبر پر متمکن واعظ کا درس کہا جاسکے وہ قہقہہ کی بجائے ایک خفیف مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہوجاتے ہیں وہ شوخ سے شوخ مضمون کو ادا کرتو لیتے ہیں مگر ایسی پُرکیف متانت کے ساتھ کہ سننے والوں پر بار نہ ہو، اور یہی اُن کے کلام کی خصوصیت ہے جو اُنہیں ہمعصر شعرا میں ممتاز کردیتی ہے،

(۴)

حقیقت یہ ہے کہ شاعری نام ہے اُس کیفیتِ صحیحہ کے اظہار کا جو شاعر کے دل میں محسوسات کی دُنیا لئے ہوئے ہو اور مشاہدہ کی انتہائے لطافت کو ایسے پُرلطف پیرایہ میں بیان کرنا جو سامع پر ایک وجدانی کیفیت طاری کردے، یہ ہوسکتا ہے کہ تبحرِ علمی کی بنا پر سامنے کی یا سنی سنائی باتیں بیان کردی جائیں، لیکن اربابِ سخن جانتے ہیں کہ یہ شاعری یکسر کیف سے خالی ہوگی یا حسنِ مجاز اور شراب کے عادی کچھ حالاتِ خمار وکیفِ انبساطِ وصل لکھ دیں مگر یہ صورت شاعری کا ابتذال ہے،

پھول دیکھنے کے لئے اور زیادہ سے زیادہ سونگھنے کے لئے ہے، چھونے کے لئے نہیں، ندرت وہ دل ودماغ لے کر آئے ہیں کہ کیفیت کو مشاہدہ کرتے ہیں لیکن "آلودگی" نہیں، اگر ایک طرف حُسن کی جلوہ طرازیاں اُن کے روبرو ہیں تو دوسری جانب میخانہ ہے، وہ خود مخمور نہیں ہوتے مگر جھومنے والوں کو جھومتا دیکھتے ہیں، اس لئے جو کہتے ہیں عین مشاہدہ کی بنا پر کہتے ہیں، حُسن اور اس کی ہر ادا اُن کے روبرو ہے مگر اُن کا کام اکتسابِ شعریت ہوتا ہے اور سچ ہے بغیر اس کے رنگت پیدا نہیں ہوتی،

(۵)

عاشق تمام تر سوز و گداز کی تصویر ہوتا ہے اس کا ہر لمحۂ زندگی "ذوقِ درد" سے لبریز رہتا ہے یہ اس کی زندگی کا تاریک پہلو فی الحقیقت روشن پہلو ہے "نالہ پابندِ لے" نہ ہو، مگر جس قدر سوز و گداز کی تصویر ہوگا اُسی قدر سامع کے لئے سر دُھننے والی چیز ہوگا، شاعر کشافِ رازِ حقیقت ہے وہ مصوّر کا کام الفاظ سے لیتا ہے وہ حسن و عشق کی پُر کیف حالتوں کی تشریح کرتا ہے اور یہ تشریح جس قدر موثر و موزوں تشریح ہوتی ہے اُسی قدر شاعر کا مرتبہ بلند ہو جاتا ہے،

شاعر جذبات فطرت کا گیت کچھ ایسے میٹھے سُروں میں الاپتا ہے کہ سُننے والوں کے تاثراتِ احساسات کی دُنیا طوفان بدوش ہو کر اپنے اندر وجدانی کیفیت پیدا کر لیتی ہے، ندرت کی شاعری اس کمال کی تکمیل نہیں تو کیا ہے،

(۶)

شاعر کے لئے ضروری ہے کہ وہ فطرت کے لطیف احساسات کو صفحۂ کاغذ پر اس طریقہ سے نمایاں کر دے کہ وہ جو کہے ایسے انداز سے کہے کہ گویا سننے والے خود مشاہدہ کر رہے ہیں، ساری توجہ اپنی طرف مبذول کر لے یہ ساری باتیں اس کے اندازِ بیان کی پُختگی سلاست اور تاثر پر منحصر ہوتی ہیں، آپ کو ندرت کے دیوان میں ہر جگہ اس کی مثالیں ملیں گی،

زندگی کی بعض ساعتوں میں جبکہ میں تنہا ہوتا ہوں مولانا کا کوئی شعر یاد آ جاتا ہے تو میں پہروں اس کے لطف میں محو رہتا ہوں ایسا سماں بندھ جاتا ہے جس کی لطیف کیفیت کی تصویر قلم سے نہیں کھینچی جا سکتی، میرا ارادہ تھا کہ مختلف عنوانات کے تحت میں مولانا کا کلام منتخب کروں گا مگر جب تجزیہ کرنے بیٹھا تو سارا دیوان آتا معلوم ہوا، ناظرین کو اپنے اپنے مذاق طبیعت کے مطابق دیوان میں کافی سرمایہ ملے گا، اس لئے کیا ضرورت ہے کہ میں اپنے مخصوص مذاق کا انتخاب کروں، تملق میری عادت نہیں، فقیر ہوں، اتنی قابلیت نہیں کہ بقدرِ وسعتِ دل کچھ کہہ سکوں ہاں دعا کرتا ہوں کہ قادرِ مطلق مولنا کو تادیر سلامت رکھے اور ان کے جواہر ریزوں سے ادب اُردو مستفید ہوتا رہے،

فقیر
انور چشتی، اذرٹول

رُوداد مختصر

(از مصنّف)

جی نچھوڑا کبھی اے ہمّت عالی میں نے

جو پڑی مجھ پہ مصیبت وہ اُٹھالی میں نے

یوں تو قلمکاروں کے لئے یہ زمانہ ہی نامساعد و پُرآشوب ہے لیکن جس نامراد کی ہستی ہی گوناگوں حادثات و رنگارنگ انقلابات کے لئے وقف ہوجائے آپ ہی غور فرمایئے کہ اُس کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے ؎

راحت کہیں نصیب سمجھے جیتے جی نہ تھی

تھا زندگی کا نام مگر زندگی نہ تھی

انسان تو حوادث و تفکرات کا مقابلہ کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے کیسے ہی مشکلات کا سامنا کیوں نہ ہو وہ حتی الوسع ان پر عبور حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن جہاں پیہم صدمات اور مسلسل سانحات سے سابقہ ہو وہاں انسان کو اپنی مجبوری و بے بسی پر آنسو بہانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوتا، اُس کے حوصلے پست ہوجاتے ہیں، اُس کی ہمّت ٹوٹ جاتی ہے، اُس کے ارادوں پر پانی پھر جاتا ہے ؎

ہوں نامرادیاں ہی سبب جس کی زیست کا

وہ غم نصیب شکوۂ تقدیر کیا کرے

کم و بیش چار سال ہوئے جب میں نے قصد کیا تھا کہ اپنے خیالاتِ پریشاں کو یکجا کرکے ذرا عمدہ اہتمام طباعت کے ساتھ منظرِ عام پر لاؤں لیکن مشیت نے مجھے ایسی حوصلہ شکن آویزشوں اور روح فرسا آزمائشوں میں مبتلا کردیا کہ کارِ طباعت تو رہا علیحدہ غزلیات کی ترتیب بھی دشوار ہوگئی جو صفحات ابتداء میں چھپ چکے تھے وہ بجنسہ الماریوں میں دھرے رہے اور کسی طرح یہ ممکن نہ ہوا کہ مجموعہ کے باقی ماندہ

اوراق کی تکمیل کی جاسکے۔ طبیعت پراگندہ۔ خیالات منتشر۔ دل ہر لحظہ مغموم وملول۔ ایسے عالم میں آپ ہی غور فرمائیے کہ میں ترتیب کلام واہتمام طباعت کی ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتا تھا۔

فکرِ سخن کے لئے جمعیّتِ خاطر ویکسوئی قلب کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جس حرماں نصیب کے نام کا سکون ہی دنیا سے اُٹھ جائے وہ شاعری جیسے اطمینان طلب مشغلے کو کیونکر برقرار رکھ سکتا ہے۔ اس مدت میں میں نے کبھی اتفاقیہ ہی اعزا و احباب کے اصرار سے مجبور ہو کر کوئی غزل کہہ لی ہو تو کہہ لی ہو ورنہ واقعہ یہ ہے کہ شعر و سخن کی محفلیں اور یارانِ زندہ دل کی صحبتیں میرے لئے خواب وخیال ہو چکی ہیں۔ میرے اکثر کرمفرما بتقاضائے خلوص ومحبّت وقتاً فوقتاً مجھے مشاعروں کی شرکت کے لئے دعوتی خطوط بھی بھیجتے رہتے ہیں لیکن میں ایک بے اختیارانہ تڑپ کے ساتھ صرف یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہوں ؎

اِک گرفتارِ بلا کو موسمِ گُل میں نہ چھیڑ
اے صبا اب یہ ترے جھونکے نہیں ہیں تیر ہیں

میرے محبّانِ مخلص یقیناً یہی کہتے ہوں گے کہ ندرت بد دماغ ہو گیا ہے۔ مغرور ہو گیا ہے۔ ہم تو اُسے بلاوے پہ بلاوے بھیجتے ہیں لیکن وہ اپنی ضد پہ ایسا اڑا ہوا ہے کہ ٹس سے مس ہی نہیں ہوتا'' لیکن اِن حضرات کو اس حقیقت کی کیا خبر کہ ندرت اب وہ ندرت نہیں رہا ہے جسے کبھی خوشدلی کا سرمایہ اور محفلِ شعر وسخن کی رونق سمجھا جاتا تھا اب تو اُس کی دنیا ہی اور ہے زمین وآسمان ہی دوسرا ہے۔ نہ اس کی بات چیت میں کچھ مزا ہے نہ شعر و شاعری میں کچھ لذّت۔ اب تو وہ سر سے پا تک حسرت ویاس کا ایک مرقع اور غم وآلام کی ایک زندہ تصویر ہے ؎

شب کی بزمِ عیش کا عبرت اثر افسانہ ہوں　　　میں چراغِ کشتہ ہوں خاکسترِ پروانہ ہوں
اب سنا دے گی پیامِ مرگ آوازِ شکست　　　بادہ کش کے ہاتھ سے چھوٹا ہوا پیمانہ ہوں

میرا سِن اِس وقت پچاس ہے۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے یاد نہیں آتا کہ کبھی زمانے نے اطمینان کا سانس لینے کی مجھے مہلت دی ہو بالخصوص جب سے والدِ مغفور ومرحوم حضرت قبلہ مولائی احمد حسن صاحب شوکت نور اللہ مرقدہٗ نے رحلت فرمائی ہے جسے اب چودہ سال ہوتے ہیں میری الم ناکیوں میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ میری زندگی کا ہر سال میرے لئے ایک تازہ آزمائش کا پیام لے کر آتا ہے۔ اِس دوران میں میں اپنے چار

جگر گوشوں کو اور ایک شش سالہ بچی کو اپنے ہاتھوں سے پیوندِ زمیں کر چکا ہوں جن میں سرتاج کی وفات نے جس کی عمر چودہ سال تھی اور سال گزشتہ ریحان کے داغِ مفارقت نے جو ابھی اپنی عمر کی ساتویں ہی منزل طے کر رہا تھا میری رہی سہی اُمیدوں کو خاک میں ملا دیا بلکہ یوں کہئے کہ زندگی ہی کو بے کیف کر دیا۔

جن حضرات نے اِن معصوم بچّوں کو دیکھا ہے ذرا وہی اپنے دل میں انصاف کریں کہ میں اُن کی بھولی بھولی صورتوں اور پیاری پیاری باتوں کو کس طرح اپنے دل سے محو کر دوں۔ قدرت کی ستم ظریفی تو دیکھئے کہ اُس نے کیسے کیسے خوبصورت کھلونے مجھے دل بہلانے کے لئے عطا کئے اور پھر انھیں کیسی دلفریب ادا کے ساتھ دیکھتے ہی دیکھتے مجھ سے چھین بھی لیا۔ ہر چند چاہتا ہوں کہ میں اس خواب کو جو میری حرماں نصیب آنکھوں نے دیکھا ہے اپنے دل سے بھلا دوں لیکن اپنی کمزورئ فطرت سے مجبور رہوں کہ کبھی کبھی بے اختیار آنسو نکل ہی پڑتے ہیں۔

سوگوارِ دلِ مرحوم ہوں رنجور رہوں میں ۔۔۔ مجھ کو جی بھر کے تڑپنے دو کہ مجبور رہوں میں

ضبط کہتا ہے کہ نکلے نہ لہو کی کوئی بوند ۔۔۔ قلب کہتا ہے کہ رستا ہوا ناسور رہوں میں

اب نہ چھیڑیں مجھے انفاس کبھی آتے جاتے ۔۔۔ جب سے دل ٹوٹ گیا ہے ہمہ تن چور رہوں میں

گو اب اِک نقشِ خیالی ہے مرا نقشِ وجود ۔۔۔ دامِ ہستی میں مگر قید بدستور رہوں میں

لیکن پھر یہی خیال کرتا ہوں کہ اِس سینہ کوبی اور گریہ و زاری سے کیا فائدہ دُنیا مرکزِ آفاتِ انقلابات ہے جب تک دُنیا میں رہنا ہے غم و آلام سے رُستگاری نہیں ہو سکتی۔

مرنے کے بعد رُوح کو شاید اماں ملے

دُنیا میں ختم سلسلۂ غم ہوا - نہ ہو

"شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن" زندگی کے جو لمحے باقی ہیں وہ بہرحال ختم کرنے پڑیں گے اور جو گوناگوں ذمہ داریاں وابستۂ حیات ہیں وہ بھی ضرور پوری ہو کر رہیں گی اِس لئے زمانہ کی ستم رانیوں اور حادثات کی حشر آفرینیوں کا شکوہ بالکل فضول ہے۔ یہ فتنے تو ہر ہر قدم پر برپا ہوتے ہی رہیں گے۔

جب تک مری ہستی کی تعمیر سلامت ہے

ہر لحظہ حوادث کے طوفان بپا ہوں گے

زندگی کیسی ہی المناک و بے کیف کیوں نہ ہو پھر بھی وہ قدرت کی عطا کردہ ایک امانت ہے اُسے رونے دھونے کے لئے وقف کر دینا یا غم و آلام کو سونپ دینا کفرانِ نعمت نہیں تو اور کیا ہے۔ زندگی کی حفاظت فریضۂ انسانی ہے اور اُس سے کام لینا انسانیت کی دلیل ہے

خوں گشتہ دل کا مجھ کو منانا ہے سوگ بھی
لینا ہے اور کام ابھی زندگی سے کچھ

میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حتی الامکان حیاتِ ناپائدار کی نازک اور اہم ترین ذمہ داریوں کو سرانجام دینے سے بھی نہ چرایا جائے۔ علاوہ ازیں میرے قدرشناس احباب کے اصرار کا بھی یہی تقاضا تھا کہ اس مجموعے کی اشاعت کے بارِ گراں سے جس قدر جلد ممکن ہو سبکدوشی حاصل کی جائے۔

لہٰذا یہ چند اوراقِ پریشاں کتابی صورت میں ترتیب دے کر آپ کے ملاحظہ کے لئے پیش کرتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ ایک ٹوٹے ہوئے دل کے تاثرات یا موزوں نالوں سے آپ مطلق لطف اندوز نہ ہو سکیں گے تاہم اس خیال سے کہ یہ ایک دردرسیدہ قلمکار کی کاوشِ فکر کا نتیجہ یا عرق ریزیوں کا حاصل ہے مجھے اُمید ہے آپ از اوّل تا آخر کم از کم ایک مرتبہ بالاستیعاب دیکھنے کی زحمت ضرور گوارا فرمائیں گے۔

ابتدا سے میرا رجحانِ طبع غزل کی طرف زیادہ رہا ہے۔ دیگر اصنافِ سخن میں ضرور تاہی خامہ فرسائی کی نوبت آتی ہے تاہم میرا ارادہ تھا کہ مختلف موضوعات و عنوانات کے ماتحت کچھ نظمیں بھی جو دورِ حاضرہ کے مذاق کی آئینہ دار ہوں اس مجموعہ میں شامل کر دوں لیکن متذکرۃ الصدر حالات نیز پبلک و اخبار آئینہ کی ذمہ داریوں نے جو کم و بیش چودہ سال سے میری زیرِ ادارت ملک و قوم کی خدمت سرانجام دے رہا ہے مجھے مزید فکر کی مہلت نہ دی۔ کچھ نظمیں ہو گئیں تھیں اگرچہ میری رائے میں ان کا عدم و وجود برابر ہے تاہم شاملِ مجموعہ کر دی گئیں ہیں۔ حصۂ دوم میں میرا تازہ کلام ہے اور حصۂ اوّل میں زیادہ تر وہی غزلیں ہیں جو ایک مرتبہ پہلے بھی "خونابۂ دل" کے نام سے منظرِ عام پر آ چکی ہیں اُنھیں معمولی ترمیم و اضافہ کے ساتھ اس لئے شاملِ حصۂ دوئم کر دیا گیا ہے کہ وہ بھی قدرے محفوظ ہو جائیں۔ زندگی ناقابلِ اعتبار ہے۔ خدا جانے میں رہوں یا نہ رہوں لیکن اس مجموعہ کی بدولت کم از کم کچھ دنوں تک میری یاد تو شاعری کی دُنیا میں تازہ رہے گی۔

اِس مجموعہ میں آپ کو طباعت کی خامیاں بھی ضرور ملیں گی لیکن ان کو میری آشفتہ حالی و پریشان خاطری کا نتیجہ خیال کیجئے اور نظر انداز فرما دیجئے۔ اُن کے علاوہ جو اور فروگزاشتیں نظر آئیں اُن کو میری بشریت پر محمول کرتے ہوئے ان کی پردہ پوشی کیجئے کیونکہ کسی انسان کے کلام کا دامن خواہ وہ کیسا ہی متبحر و فاضل کیوں نہ ہو نقائص و عیوب کے داغ دھبوں سے ہرگز پاک صاف نہیں رہ سکتا۔ مجھ جیسے کمزور و ہیچ مداں کی تو حقیقت ہی کیا ہے بڑے بڑے اربابِ کمال شاعری کی دشوار گزار منزل میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے رہے ہیں اور آیندہ بھی کھاتے رہیں گے

میرے اکثر معاصرین محترم نے اِس مجموعہ پر تنقیدی نظر ڈالنے کا وعدہ فرمایا تھا اور اُن کی خدمت میں کچھ اوراق بھی بھیج دیئے گئے تھے لیکن میں اپنی پریشانیوں کے باعث اُن کے مواعید کی یاد دہانی نہ کر سکا اگر ان حضرات کے تبصرے وصول ہو جاتے تو یقیناً اِس مجموعہ کی زینت میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا لیکن اب مزید انتظار میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ البتہ میں اپنے مربّی و محسن جناب کیپٹن حافظ محمد حشمت علی خاں صاحب ایم۔بی۔ای۔ایم۔ایل۔سی نواب آف باغپت کا تہِ دل سے ممنون ہوں کہ ممدوح نے میرے کلام کے متعلّق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اِسی طرح یہ میری اخلاقی کمزوری ہوگی اگر میں اپنے عزیز دوست جناب حاجی بدرالدین احمد صاحب انور رئیس رٹول کی اس نوازشِ خاص کا اعتراف نہ کروں جو موصوف نے باوصف علالت و عدیم الفرصتی اس مجموعہ کا مقدمہ لکھ کر مجھ پر مبذول فرمائی۔ ہر دو ممدوحین کے تبصرے حقیقت میں میرے لئے سرمایۂ افتخار ہیں۔

آخیر میں اِس واقعیت کا اظہار بھی میرے نزدیک کچھ بے محل نہیں ہے کہ میرے تلامذۂ عزیز اندرجیت شرما۔ سرداری لال نشتر۔ رشید احمد خاں درویش۔ گلزار احمد گلزار۔ برکت اللہ خاں برکت۔ اور عبد الرحمٰن خاں سہیل نے اس مجموعہ کی طباعت میں مجھے ہر قسم کی امداد دے کر اپنی عقیدت مندی کا قابلِ قدر ثبوت بہم پہنچایا۔ اُن کے جذبۂ ارادت و محبت نے میرے دل میں پوری پوری جگہ کر لی ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ اگر یہ عزیزان میرا ہاتھ نہ بٹاتے تو شاید اب بھی میں اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوتا۔ میں اِن کے لئے دعا کرتا ہوں کہ خدا ان کے ذوق و شوق میں ترقی دے اور وہ شاعری کی دُنیا میں زیادہ سے زیادہ نام پیدا کریں۔

ناچیز

ندرت

مدیر آئینہ میرٹھ

نگاشتہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۶ء

نذرِ حقیر

محبِّ قوم وہمدرد [illegible]
محمد جمشید علی خاں صاحب ایم۔بی۔ای۔ایم ایل سی
نواب آف باغپت کی ممتاز ترین شخصیت باعتبار ملّی وملکی
خدمات نہ صرف صوبۂ یو۔پی بلکہ تمام ہندوستان کے لئے سرمایۂ ناز وافتخار
ہے۔ اُن کی ایثار نفسی وعلم پروری کی عظیم الشان روایات کسی تعریف
کی محتاج نہیں۔ اس لئے میں اس حقیر مجموعہ کو ممدوح
کے نام نامی کے ساتھ معنون کرتا ہوں ؎

وہ دل نیاز مند کو جس دل پہ ناز ہے
کرتا ہے تیری نذر کہ تو دلنواز ہے

نیاز آگیں

ندرت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زمزمۂ حمد

بھڑکا رہا ہے دل کو سوز و گداز تیرا
نالوں سے ہو نہ جائے افشائے راز تیرا

مایوس کیوں ہو بندہ اے کارساز تیرا
رہتا ہے بابِ رحمت ہر وقت باز تیرا

ذرّے کو خور بنا دے، قطرے کو دُر بنا دے
فیضانِ لم یزل ہے عالم نواز تیرا

بندے ہی جانتے ہیں لذّت جزا سزا کی
یہ بھی ہے ناز تیرا، وہ بھی ہے ناز تیرا

کون و مکاں میں گونجے توحید کے ترانے
مضرابِ کُن نے چھیڑا جس وقت ساز تیرا

شرطِ قبولیت بھی لازم ہے بندگی کو
ہوں ورنہ ہیں بھی بندے اے بے نیاز تیرا

ظاہر پرست روئیں کوتاہیِ نظر کو
میں جانتا ہوں، جلوہ ہے دلنواز تیرا

لذّت ملی اُسی کو جس نے چھپا کے رکھّا
سینے میں سوز تیرا، دل میں گداز تیرا

کرتے ہیں سر جُھکا کر سجدہ حریمِ دل کو
گھر خوب جانتے ہیں اہلِ نیاز تیرا

اُٹھتا نہیں نظر سے جب تک حجابِ ہستی
کُھلتا نہیں کسی پہ سربستہ راز تیرا

پیشِ نظر ہو نادرؔ خود شاہدِ حقیقی
پردہ اگر اُٹھا دے عشقِ مجاز تیرا

عشق میں جان سے وابستہ ہے ارمان دل کا
دم نکل جائے تو یہ کام ہو آساں دل کا

اب تمنا کوئی باقی ہے نہ ارماں دل کا
یاس نے لوٹ لیا سب سر و ساماں دل کا

صورتِ شمع ہے ہر داغ فروزاں دل کا
یہ شبِ تار ہماری یہ چراغاں دل کا

مائلِ گریۂ خوں ہے غمِ پنہاں دل کا
آبرو دل کی ڈبو دے نہ یہ طوفاں دل کا

دیکھتے ہیں وہ دلآویز نگاہوں سے اِدھر
اب میں مجبور ہوں اللہ نگہباں دل کا

ایک ہی نالے سے محشر نہ بپا ہو تو سہی
ہم دکھائیں گے تمہیں کارِ نمایاں دل کا

اب یہ ٹوٹے ہوئے ٹکڑے مجھے چُن لینے دو
کر دیا تم نے تو مجموعہ پریشاں دل کا

خنجرِ غم سے ہوئی ہے یہی حالت دل کی
آئنہ ہے یہ مرا چاکِ گریباں دل کا

چُٹکیاں لیتے ہیں پھر اُس پہ یہ تاکید بھی ہے
ہونے پائے نہ کوئی داغ نمایاں دل کا

آج پھیکا نظر آتا ہے ذرا رنگِ سرشک
جانے کیا حال ہے اے دیدۂ گریاں دل کا

درد و حسرت سے غرض دونوں گھر آباد ہیں اب
کوئی مہماں ہے جگر کا، کوئی مہماں دل کا

دودِ شمعِ سرِ محفل پہ تو ڈالی ہے نظر!
مجھ سے کیا سُنتے ہو؟ اب حالِ پریشاں دل کا

اُن کی خود بینی کا انداز ہے دُنیا سے جُدا
سامنے رکھتے ہیں آئینۂ حیراں دل کا

وہ بھی اب ہو گئے صرفِ غمِ اُلفت ندرتؔ
چند قطرے تھے لہو کے سر و ساماں دل کا

پھر وہ بلائیں بزم میں اِس کی اب اُن سے آس کیا
کر چکے نظر جان و دل اب ہے ہمارے پاس کیا

کوئی دعا ہو یا دوا آئیگی مجھ کو راس کیا؟
میں تو مریضِ عشق ہوں جینے کی میرے آس کیا

دیکھ کے بے نقاب انہیں کیجئے التماس کیا
عالمِ بیخودی میں اب کام کریں حواس کیا

وعدۂ حشر ہی سہی کس کو مگر یقین ہو
آئیں ترے فریب میں تیرے اداشناس کیا

اُٹھ کے چلے تھے وہ کہ پھر بیٹھ گئے پکڑ کے دل
تیر کا کام کر گئی میری نگاہِ یاس کیا

موت کے رنج سے سوا تھی مجھے دید کی خوشی
نزع میں دیکھتا کوئی چہرہ مرا اُداس کیا

پھر تو کہو یہ کیا کیا؟ دل کی کریں گے قدر ہم
تم کو وفا سے کیا غرض، تم کو زباں کا پاس کیا

مل گئی جب نظر تو پھر حشر میں پوچھنا ہی کیا؟
ہم نہیں جانتے تمہیں، تم نہیں روشناس کیا

وہ بھی تو کہہ رہے ہیں اب نادر رتن خستہ حال کو
ہو گئے آپ عشق میں ایسے بھی بدحواس کیا

زندگی بھر عشق میں جو آہ کا خوگر نہ تھا
یہ مرے پہلو میں پھر کیا تھا؟ اگر پتھر نہ تھا

یوں وہاں نالوں کا موقع اے دلِ مضطر نہ تھا
اُس ستم پرور کی محفل تھی، کوئی محشر نہ تھا

دردِ دل کا آج اچھی طرح ہو جاتا علاج
وہ تو یہ کہئے کہ اُن کے ہاتھ میں خنجر نہ تھا

اب خدا دل کو لگی تو آئے ہیں کہتے ہوئے
تو نے نالہ کیوں کیا؟ کیا تجھ کو میرا ڈر نہ تھا

کیا نگاہِ واپسیں قاتل سے رخصت مانگتی
آنکھ اُٹھانے کا بھی جب موقع تہِ خنجر نہ تھا

ہیں خبر اپنی چمن والوں کو پہنچاتا رہا
قید میں نالہ مرا محتاجِ بال و پر نہ تھا

تھا علاجِ زخمِ دل میرے لئے سامانِ مرگ
اک چھری تھی چارہ گر کے ہاتھ میں نشتر نہ تھا

کیوں دل کو ہی نظروں دیکھا تو نے اس دل کی طرف
یہ تری تصویر کا آئینہ تھا، پتھر نہ تھا

پھیر کر سفاک نے اک بیگنہ کے حلق پر
یوں لگا پھینکا کہ جیسے ہاتھ میں خنجر نہ تھا

یہ تجھے کیا ہوگیا اب اے دلِ بے اختیار!
تو تو اک تصویرِ غم تھا، آہ کا خوگر نہ تھا

منہ رگوں کے کھل گئے تھے گرمیِ سودا سے خود
فصلِ گل میں زخمِ دل شرمندۂ نشتر نہ تھا

شب کو تڑپا تھا جو میں بستر پہ سوزِ ہجر میں
صبح ہوتے راکھ کا اک ڈھیر تھا بستر نہ تھا

بیقراری کا انھیں، کس طرح ہوتا اعتبار
وہ مرے دل میں نہ تھے پہلو سے دل باہر نہ تھا

شب کٹے تھے مصروف، ہم بھی گریۂ خاموش میں
شمع کی صورت مگر دامن ہمارا تر نہ تھا

ہائے ندرت کہہ گیا مجھ سے دمِ رخصت کوئی
شام کی ہی تھی خوشی تم کو سحر کا ڈر نہ تھا

دل کو کسی غریب کے خاک میں کیا ملا دیا
لوحِ جہاں سے آپ نے نقشِ وفا مٹا دیا

میری تمہاری آبرو اب ہے خدا کے اختیار
تم نے بھی تیغ کھینچ لی، میں نے بھی سر جھکا دیا

رات کو خواب ناز سے، وہ بھی یہ کہہ کے چونک اٹھے
ہائے یہ کس کی آہ تھی؟ کس نے مجھے جگا دیا

گریۂ غم کی داد تم اب بھی نہ دو تو قہر ہے
آج تو میں نے دل کو بھی آنسوؤں میں بہا دیا

سب ہیں تمہاری بزم میں دورِ شراب کے شریک
ندرتِ نامراد کو تم نے الگ بٹھا دیا

دُنیا میں نہ تھا کوئی خریدارِ تمنّا
اک دل سے ہوئی گرمیِ بازارِ تمنّا

جب دل میں چھپائے گئے اسرارِ تمنّا
آنکھوں سے نمایاں ہوئے آثارِ تمنّا

آزارِ اجل تو نہیں! آزارِ تمنّا
بچتے نہیں دیکھا کوئی بیمارِ تمنّا

رہنے دے گریباں کو اے پنجۂ وحشت!
یوں چاک نہ کر پردۂ اسرارِ تمنّا

تکلیف مجھے دے تو رہا ہے دمِ آخر
اب سینے میں یا سانس ہو یا خارِ تمنّا

دُنیا کی تمنّا نہ چھپائی گئی آخر
پکڑے گئے محشر میں گنہگارِ تمنّا

اے سوزِ دروں پھونک نہ دینا مرے دل کو
میرا دلِ پُر داغ ہے گلزارِ تمنّا

اُمید نے ہر چند دیا ہم کو سہارا
ہم سے تو اُٹھایا نہ گیا بارِ تمنّا

بھرتا ہی نہیں زخمِ محبّت کسی صورت
ہوتی ہی نہیں کم خلشِ خارِ تمنّا

رخصت ہوئے دُنیا سے اسیرانِ محبت
لو چھوٹ گئے آج گرفتارِ تمنّا

آہیں ہیں کہ ہیں درپئے اظہارِ محبّت
نالے ہیں کہ ہیں درپئے اظہارِ تمنّا

بنجاتے ہیں نقشِ کفِ پا راہِ وفا میں
اُٹھتے ہی نہیں گر کے گرانبارِ تمنّا

بیوجہ نہیں ہیں دلِ ناکام کے نالے
روتا ہے تمنّا کو عزادارِ تمنّا

اُٹھتی ہی نہیں اب تو وہ جھینپی ہوئی نظریں
کیوں مر نہ گئے ہم دمِ اظہارِ تمنّا

ندرتؔ یہ سرِ عجز ہے اور سنگِ درِ یار
ہم جب سے ہوئے بندۂ سرکارِ تمنّا

آستانہ نہ ملا اُس بُتِ ہرجائی کا
ہم کو ارماں ہی رہا ناصیہ فرسائی کا

غُل اگر حشر میں ہو آپ کی رُسوائی کا
تھام لیں آپ بھی دامن کسی سودائی کا

جھانک کر روزنِ دیوار سے چھپنا ہی پڑا
اُن سے دیکھا نہ گیا حال تماشائی کا

اُن کے آنے کی خبر بادِ سحر لائی ہے
سانس چلتا ہے چراغِ شبِ تنہائی کا

آئنہ سامنے رکھ کر وہ بنے بیٹھے ہیں
قابلِ دید ہے انداز خود آرائی کا

ٹھوکروں سے وہ گھسے جاتے ہیں سنگِ در کو
نقش مٹتا ہی نہیں میری جبیں سائی کا

اُن کے ہوتے ہوئے کیوں محوِ فغاں ہوں ندرتؔ
مشغلہ ہے یہ مرے عالمِ تنہائی کا

جو دل دے کر تری محفل سے اُٹھا
خدا معلوم وہ کس دل سے اُٹھا

فنا ہو کر تو رسوائی نہ ہوتی
بگولا کیوں غبارِ دل سے اُٹھا

جسے کہتے تھے سب طوفانِ محشر
وہ بنکر درد میرے دل سے اُٹھا

ہوئی سنسان دُنیائے محبت
جنازہ آرزو کا دل سے اُٹھا

الٰہی کیا بلا تھی آتشِ عشق
دُھواں تا حشر خاکِ دل سے اُٹھا

یہاں تو جان دیدی سوزِ غم میں
وہ کہتے ہیں دھواں کیوں دل سے اُٹھا

نہ تھا پہلے جہاں میں عشق ندرتؔ
یہ فتنہ اب ہمارے دل سے اُٹھا

دشمنِ جاں ہو گیا غارت گرِ دل ہو گیا
اب شباب آیا ہے اُس پر اب وہ قاتل ہو گیا

جا گزیں پہلو میں میرے تیرِ قاتل ہو گیا
ایک دل نکلا تو پیدا دوسرا دل ہو گیا

دردِ دل کو یہ پوچھتے ہیں وہ الٰہی کیا کروں؟
ضبط مشکل تھا، مگر اب اور مشکل ہو گیا

تم نہ تھے جب تک تو اک ظلمت کدہ تھا دل نہ تھا
جب سے تم آئے ہو دل میں دل مرا دل ہو گیا

آئینہ تم دیکھ لو پھر میں بتا دوں گا تمہیں
میں نے کیوں چاہا تمہیں، کیوں تم پہ مائل ہو گیا

میں اسے فریاد سے روکوں مجھے کیا اختیار
آپ نے دل لے لیا تو آپ کا دل ہو گیا

اب مجھے کیا چاہیئے ہیں اس تبسم کے نثار
اور کیا مطلب کہوں مطلب تو حاصل ہو گیا

پار اُترے خوب ہم بھی بحرِ غم میں ڈوب کے
موج کشتی بن گئی گرداب ساحل ہو گیا

واہ کیا کہنا ترا اے رونقِ بزمِ جمال
جس بھری محفل میں بیٹھا شمعِ محفل ہو گیا

بخشنے والے کی نظریں دیکھ کر روزِ جزا
شیخ بھی اُس کے گنہگاروں میں شامل ہو گیا

خود وہ آجائیں گے اے ندرتؔ جو دل میں درد ہو
کیا کمی تاثیر کی جب شوق کامل ہو گیا

کام آیا ہے تڑپنا دمِ بسمل میرا
دیکھتا ہے مجھے دل تھام کے قاتل میرا

دل تمہیں مشقِ ستم کے لئے دیتا ہوں میں
ہے اگر تم کو دغا دے تو نہیں دل میرا

کوئے دشمن میں تمہیں سجدہ کیا ہے میں نے
خوب ٹھکراؤ کہ سر ہے اسی قابل میرا

قتل سے پہلے مسرت تھی مرے قاتل کو
قتل کے بعد پشیمان ہے قاتل میرا

دل میں رہ جاتی ہیں وحشت کی اُمنگیں اُٹھ کر
جب سے میں قید ہوا چھوٹ گیا دل میرا

ناتوانی کی کوئی حد نہ رہی اے ندرتؔ
سانس کے ساتھ بھی اب ہلنے لگا دل میرا

شکوہ فراق کا نہ سوالِ وصال تھا
وہ اِس سے پا گئے کہ میں آزردہ حال تھا

دستِ جنوں جو ٹکڑے نہ دامن کے کر سکا
شاید کسی کی پردہ دری کا خیال تھا

پھونکا فضول طور کو مدہوش تھے کلیم
دل جلوہ گاہِ شعلۂ برقِ جمال تھا

پڑھتے تھے وہ ہوا سے ورق دونوں مل گئے
کتنا ہمارے نامے میں شوقِ وصال تھا

مجھ کو گھڑی گھڑی کی خبر رات بھر ملی
تم تھے جہاں وہیں مرا پیکِ خیال تھا

شبنم نہ تھی چمن میں، لبِ یار کی قسم
رُخ پہ گلاب کے عرقِ انفعال تھا

ندرتؔ! فضول تیغ کو تکلیف دی گئی
وہ چھیڑتے نگہ، ہیں چھُری سے حلال تھا

ہوئی درد دل میں اگر کمی تو زیادہ دردِ جگر ہوا
رہی رات دن مجھے جانکنی نہ اِدھر ہوا نہ اُدھر ہوا

ہے یوں جو خانہ خراب ہم تو جہاں میں خاک گزر ہوا
نہ کسی کے در پہ جگہ ملی نہ کسی کی راہ میں گھر ہوا

مجھے داغ دیکے نکل گیا کسی بیوفا کا خدنگ بھی
نہ انیس حسرتِ دل ہوا نہ شریکِ دردِ جگر ہوا

دلِ بیقرار بُرا کیا کہ دل اُس کا تو نے ہلا دیا
تجھے کوستا ہے وہ بیوفا تری آہ کا یہ اثر ہوا

مجھے اُن سے اُن کے فراق کا نہیں شکوہ ندرتِ خستہ جاں
جو لکھا تھا میرے نصیب میں وہی اُن کو مدِّ نظر ہوا

دل میں مرے آباد ہے دُنیائے تمنّا
میں ہوں ہمہ تن محوِ تماشائے تمنّا

دُنیا سے جدا ہوتی ہے دُنیائے تمنّا
رُسوائے زمانہ نہیں رُسوائے تمنّا

اِتنی بھی نہ ہو دل کو تمنّائے تمنّا
جب سانس لیا آئی صدا ہائے تمنّا

جس دل کو کبھی کہتے تھے دُنیائے تمنّا
وہ دل ہے اب اک مجلسِ غم ہائے تمنّا

اب اے دلِ افسردہ! وہ عالم نہیں تیرا
ہے ورنہ وہی رونقِ دُنیائے تمنّا

اِن ڈوبنے والوں کے کہاں پاؤں ٹکیں گے
اللہ! کہاں ہے؟ تہِ دریائے تمنّا

مانا کہ نہیں تابِ سخن مجھ کو کسی سے
خاموش بھی رہنے دے تقاضائے تمنّا

کہتی ہے یہ کشتی مرے ٹوٹے ہوئے دل کی
ہے دور بہت ساحلِ دریائے تمنّا

آنکھوں میں ہیں مایوسی و اُمید کے نقشے
نظروں میں ہے نیرنگیٔ دنیائے تمنّا

ہم بیخودیٔ شوق میں ہستی سے گزر جائیں
اتنی تو نہ ہو مستیٔ صہبائے تمنّا

دامن میں بھریں کس لئے ہم پھول چمن کے
آنکھوں ہی نے برسا دیئے گلہائے تمنّا

اک شعلۂ جانسوز ہے میرا دلِ وحشی
سمجھو نہ اسے ذرّۂ صحرائے تمنّا

اُٹھتی ہے مجھی پر نگہہ ناز کسی کی
اک میں ہی ہوں اُس بزم میں رسوائے تمنّا

ٹھوکر ہے غم و یاس کی ایک ایک قدم پر
کچھ دیکھ کے، اے بادیہ پیمائے تمنّا

خالی نظر آتا نہیں دل کا کوئی گوشہ
اللہ رے آبادیٔ دنیائے تمنّا

تکلیف کو غم کی مرے دل سے کوئی پوچھے
دیتی ہے مزا تلخیٔ صہبائے تمنّا

پھر بھی نہیں کچھ قدر مرے گریہ کی ندرت
ہر اشک ہے اک گوہرِ دریائے تمنّا

جب ہمارے دل میں خونِ آرزو ہو جائے گا
آرزو کے ساتھ دل کا بھی لہو ہو جائے گا

رازِ حسن و عشق سے واقف جو تو ہو جائے گا
پھر تو کچھ میرا بھی پاسِ آبرو ہو جائے گا

لیجئے طوقِ جنوں کے ہم نے ٹکڑے کر دیئے
اب تو خنجر آپ کا زیبِ گلو ہو جائے گا

گرمیٔ سودا کا جس نشتر سے کرتے ہیں علاج
وہ بھی گھل مل کر رگِ دل میں لہو ہو جائے گا

ہم سمجھتے تھے کہ دل سے ہوگا ہمیں لطفِ شباب
یہ نہ تھا معلوم صرفِ آرزو ہو جائے گا

چھوٹ جائے گا ستم، توبہ تری نبھ جائے گی
بعد میرے عہد کا پابند تو ہو جائے گا

جب سُنایا حالِ دل بولے وہ خنجر کھینچ کر
اب ذرا سی دیر میں خاموش تو ہو جائے گا

تیرِ قاتل سے شہادت تو میسّر ہو چکی
خشک اسی اُمید میں دل کا لہو ہو جائے گا

خود بدل جائے گی بیباکی حجابِ ناز سے
جب جوانی آئے گی کچھ اور تو ہو جائے گا

جب تمہاری جستجو میں خاک ہو جائیں گے ہم
خاک کا ہر ذرّہ وقفِ جستجو ہو جائے گا

کہہ رہی ہے اب تو ندرتؔ خود فراموشی تری
کوئی دن میں تو سراپا آرزو ہو جائے گا

میں اتنا تو کم از کم خوگرِ آزار ہو جاتا
کہ تم مجبور ہو جاتے فلک ناچار ہو جاتا

غضب آتا جو ہم خلوت میں آئینہ دکھا دیتے
وہ کافر آپ اپنی شکل سے بیزار ہو جاتا

ہمیں صبر آگیا، اب شکوۂ ہجراں سے کیا حاصل
اگر تقدیر میں ہوتا تو وصلِ یار ہو جاتا

ہماری بیکسی بھی قابلِ افسوس و حسرت تھی
ہمارا بھی زمانے میں کوئی غمخوار ہو جاتا

اگر صورت دکھا کر اُن کو جانا تھا چلے جاتے
مگر اتنا ٹھہر جاتے کہ میں ہشیار ہو جاتا

کوئی پردہ نشیں صورت دکھاتا روزنِ در سے
کوئی حیرت زدہ تصویرِ بر دیوار ہو جاتا

وفاداری پہ بھی مجھ سے اُنھیں نفرت ہے اے ندرتؔ
یہ برتاؤ تو ایسا تھا کہ دشمن یار ہو جاتا

بسمل ہوئے ہزاروں تو نے جدھر کو دیکھا
تلوار کو نہ دیکھا، تیری نظر کو دیکھا

رُخ سے نقاب اُٹھا کر اُس نے اِدھر کو دیکھا
ہم نے نظر بچا کر اُس کی نظر کو دیکھا

او محوِ ناز! تو نے میری نظر کو دیکھا
اب کیوں نظر اُٹھائی اب کیوں اِدھر کو دیکھا

کیوں تم نے ہاتھ رکھ کر اپنے جگر کو دیکھا
میری فغاں کو دیکھا اُس کے اثر کو دیکھا

تیرِ نظر کے قابل میرے جگر کو دیکھا
میں اِس نظر کے صدقے تیری نظر کو دیکھا

آتے ہوئے جو اُن کے تیرِ نظر کو دیکھا
دل کو جگر نے دیکھا' دل نے جگر کو دیکھا

ابتک پھڑک رہی ہے زخمِ جگر کی رگ رگ
یہ کس نظر سے تم نے زخمِ جگر کو دیکھا

ہوش اور بھی ہوئے گم صبحِ شبِ جدائی
رخصت طلب جو میں نے شمعِ سحر کو دیکھا

اُس بزم میں کھُلے کیا رازِ طلسمِ حیرت
اب کون کس سے پُوچھے کس نے کدھر کو دیکھا

دل اور بھی بھر آیا رُسوائیوں کے غم سے
جب میں نے خون رو کر دامانِ تر کو دیکھا

اے چارہ گر ترقی دردِ نہاں کی دیکھی
اپنی دوا کو دیکھا اُس کے اثر کو دیکھا

جوشِ جنوں میں کتنے غربت پسند ہیں ہم
جس دن سے گھر کو چھوڑا ہم نے نہ گھر کو دیکھا

تم ٹکڑے کر رہے ہو تیغِ ادا سے دل کے
میں ضبط کر رہا ہوں' میرے جگر کو دیکھا

آنکھوں کے سامنے تھی مایوسیوں کی دُنیا
حسرت بھری نظر سے میں نے جدھر کو دیکھا

میں نے تو جان دے دی اِس آرزو میں نہت
تربت پہ بھی نہ آیا اُس بے خبر کو دیکھا

چلن اُن کا یہ کہتا ہے' اوا آئی شباب آیا
مری قسمت یہ کہتی ہے، بلا آئی عذاب آیا

اشارے ہو چکے، بچپن گیا' عہدِ شباب آیا
اب اُن کی اور نظریں ہیں، اب آنکھوں میں حجاب آیا

سیہ کاری کے پردے میں جو میں روزِ حساب آیا
نہ مُنہ اللہ نے دیکھا نہ بندے کو حجاب آیا

وہاں خط اُس نے پڑھ کر رکھ دیا ہے طاقِ نسیاں پہ
یہاں دُل پوچھتا ہے مجھ سے کہئے کیا جواب آیا

تمہارا دیکھنے والا ہوں، تم بھی خوب واقف ہو
تمہاری شرم کے صدقے تمہیں مجھ سے حجاب آیا

جو پہنچے خاک اڑ کر کشتۂ سوزِ محبت کی
جہنم بھی کہے اللہ یہ کیسا عذاب آیا

وہ بیکس ہوں مری تربت پہ روئی رات بھر شبنم
ہوئی جب صبح آنسو پونچھنے کو آفتاب آیا

یہی مطلب تو تھا، لا اب ترا منہ چوم لوں واعظ
مذمت ہی سہی لب پہ مگر نام شراب آیا

کہا جب ضعف میں کوئی سہارا دینے والا ہے
پکارا دردِ دل پہلو سے اٹھ کر ہاں جناب آیا

وہ اٹھے صبح اور زلفیں بنانے کو صبا آئی
وہ بیٹھے اور آئینہ دکھانے آفتاب آیا

انہیں رو کر لکھا ہے خط وہ مطلب خاک سمجھیں گے
کہ نقشِ آرزو کاغذ پہ شکلِ نقشِ آب آیا

غرور ایسا کہ وہ آئینہ سے آنکھیں بدل بیٹھے
حجاب ایسا کہ ان کو اپنی صورت سے حجاب آیا

کہاں کی نیند اب دشمن کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی
کہ اس کے گھر سے پھر خواب میں وہ مستِ خواب آیا

جب ان کی گالیاں سنکر کیا شکوہ تو فرمایا
زباں کاٹیں گے ہم تیری بڑا حاضر جواب آیا

نسیمِ صبح نے گھونگھٹ جو الٹا ان کے چہرے سے
چراغِ حسن کا پروانہ بنکر آفتاب آیا

ہوئے ہر قطرے سے پیدا فنا کے سیکڑوں طوفاں
پھر ان کی پوٹ بنکر بحرِ ہستی میں حباب آیا

کسی کے پھول سے رخ کا جو نقشا دل میں تھا ندرت
دمِ آخر پسینہ موت کا بنکر گلاب آیا

نہ نکلا دل سے اے صیاد! ارماں آہ و شیون کا
قفس میں آتے ہی دم گھٹ گیا مرغانِ گلشن کا

نئی ہے وضع سر سے حشر میں کیا پردہ پوشی ہو
کہ ہے خونِ شہیداں حاشیہ قاتل کے دامن کا

وہ ان کی بزم میں بشاش میری بیخودی سے ہے
مرا رنگ اڑ کے غازہ بن گیا ہے روئے دشمن کا

گلا کب درد و غم کا تھا جو پوچھی آپ نے حالت
بہت خوش ہوں عنایت آپ کی احسان دشمن کا

رقابت آفت دل ہے عداوت دشمن جاں ہے
نہ دے اللہ غم الفت میں دشمن کو بھی دشمن کا

زیارت گاہ عالم بن رہی ہے یادگار اپنی
وہ پتھر رکھ رہے ہیں خود مری تعمیر مدفن کا

کسی کو دیکھ کر حسرت اٹھا ہے بزم دشمن سے
نظر رکھ لائی ہے دل میں اجالا بزم دشمن کا

یہ تو نے کیا کہا؟ پہلو میں دل ہوگا جگر ہوگا
ترا تیر ادا ہوگا ترا تیر نظر ہوگا

مری آنکھیں ہی تر ہوں گی مرا دامن ہی تر ہوگا
لہو بھی ہیں جو روؤں گا تو ان پر کیا اثر ہوگا

جگر میں سیکڑوں تیروں کے ٹکڑے رہ گئے ہوں گے
تمہارے مرنے والے کا جگر بھی کیا جگر ہوگا

جب ان کی اور میری دو دو باتیں حشر میں ہوں گی
دل ناشاد! تو کس کی کہے گا تو کدھر ہوگا

کبھی ہنس کر نہ پوچھا میرے رونے کا سبب تم نے
یہ رونا عمر بھر کا ہے، یہ رونا عمر بھر ہوگا

مرے ہر سانس میں جو چار ٹانکے ٹوٹ جاتے ہیں
یہ حالت ہے تو کیونکر بخیۂ چاک جگر ہوگا

عبث زحمت اٹھاتے ہیں ہوائے تند کے جھونکے
چراغ تربت عاشق تو خود شمع سحر ہوگا

ہمیں بھی ہوگئی ضد او نگاہیں پھیرنے والے
نہ بیٹھیں گے ادھر محفل میں تیرا رخ جدھر ہوگا

تو ہی کیا رات بھر روئی ہے پروانوں کے مدفن پر
ترا ماتم بھی اب محفل میں اے شمع سحر ہوگا

عیادت کو وہ آئیں گے مگر جب سانس اکھڑیں گے
خبر بیمار کی لیں گے مگر جب بے خبر ہوگا

بہار آئی ہے تڑپیں گے اسیران قفس حسرت
اب اس کمبخت کی مشکل ہے جو بے بال و پر ہوگا

تیرے وحشی کا قدم جب تک بیاباں میں رہا
خار جو پیدا ہوا وہ اُس کے داماں میں رہا

آشیاں ہم تو بناتے ہی قفس میں آ گئے
آشیاں ہی آشیاں اپنا گلستاں میں رہا

بسکہ تھا آنسو بھی میرا پردہ دارِ رازِ عشق
ڈھل گیا دامانِ مژگاں سے تو داماں میں رہا

اب ہے ویرانہ بیاباں اب وہ آبادی کہاں
یہ جبھی تک تھا کہ میں جب تک بیاباں میں رہا

غیر کو ارماں نہ تھا تو آپ اُس سے مل گئے
مجھ کو ارماں تھا تو میں ارماں ہی ارماں میں رہا

سجدہ کرتے کرتے مٹنا تھا ہمیں مٹ گئے
نقشِ پیشانی تو اپنا کوئے جاناں میں رہا

وسعت آبادِ جہاں کی سیر وحشت نے نہ کی
یا تو زنداں میں رہا وہ یا بیاباں میں رہا

گریۂ پیہم سے افشا رازِ اُلفت ہو گیا
خونِ دل کا قطرہ قطرہ اشکِ حسرت ہو گیا

صبح کو جب وہ مرے پہلو سے رخصت ہو گیا
نور آنکھوں کا سوادِ شامِ فرقت ہو گیا

دیکھتے ہی میں انہیں تصویرِ حیرت ہو گیا
شہرتِ دیدار بھی داروئے غفلت ہو گیا

مٹ گئی بیتابیِ دل درد رخصت ہو گیا
میں بہت اچھا ہوں جب سے خونِ حسرت ہو گیا

دوسری اک جان تیرا دردِ فرقت ہو گیا
تیرے بیماروں کو مرنا بھی مصیبت ہو گیا

صرف اک حسرت نظر آتی ہے دل کی کائنات
دل میں باقی کیا رہا جب خونِ حسرت ہو گیا

حسن کی عالم فریبی دل کو گزری ناگوار
رشک سے آمادۂ ترکِ محبت ہو گیا

ہائے مطلب آشنا نے کیسی آنکھیں پھیر لیں
مجھ سے دل لیتے ہی کیسا بے مروت ہو گیا

رفتہ رفتہ کاہشِ غم نے دکھا دی اپنی حد
مٹتے مٹتے دل مرا اک داغِ حسرت ہو گیا

آنکھ کھلتے ہی نظر آیا جہانِ بیخودی
مجھ کو بیداری کا عالم خوابِ غفلت ہو گیا

روتے روتے اُن کی رسوائی کا جب آیا خیال
میرا ایک ایک اشکِ خوں اشکِ ندامت ہو گیا

آتے آتے اس طرف لو کر گیا ناوک خطا
خونِ دل تم کر رہے تھے خونِ حسرت ہو گیا

روزِ اوّل نام سے جس کے تڑپ اُٹھی تھی رُوح
دل میں پوشیدہ ہی دردِ محبّت ہو گیا

حشر میں پھر رنگ لائے دامنِ قاتل کے داغ
آج پھر تازہ کسی کا خونِ حسرت ہو گیا

ہم مثالِ قیس اے ندرتؔ ہوں کیوں صحرا نورد
وہ تو اک دیوانہ تھا رسوائے اُلفت ہو گیا

یا الٰہی کیوں پشیماں مجھ سے قاتل ہو گیا
کیا مرا عہدِ وفا محشر میں باطل ہو گیا

ہو کے دو ٹکڑے نشانہ تیغِ قاتل ہو گیا
نام کا تھا پہلے دل اب کام کا دل ہو گیا

خون ہو کر جب شریکِ اشکِ غم دل ہو گیا
اشک بھی آنکھوں میں رکھ لینے کے قابل ہو گیا

ضبطِ غم کا جو نتیجہ تھا وہ حاصل ہو گیا
یعنی دل ہی دل میں خونِ حسرتِ دل ہو گیا

ناوک اندازی پہ جب آمادہ قاتل ہو گیا
میرے پہلو سے تڑپ کر سامنے دل ہو گیا

دیکھ کر قاتل کی نظریں یہ بھی قاتل ہو گیا
ہائے میرے خون کا پیاسا مرا دل ہو گیا

رہ گئی تلوار شل بازوئے قاتل ہو گیا
لیکن اب وہ کیا کرے جو نیم بسمل ہو گیا

اک جگہ پہلو میں تھا کل تک شریکِ دردِ دل
وہ بھی لیکن آج وقفِ ماتمِ دل ہو گیا

ہو گیا پیدا وہیں تک لالۂ خونیں کفن
جذبِ مقتل میں جہاں تک خونِ بسمل ہو گیا

کیوں پریشاں ہو کے آہیں آ رہی ہیں تا بلب
آج شاید منتشر شیرازۂ دل ہو گیا

بڑھتے بڑھتے ناتوانی میری حد سے بڑھ گئی
رفتہ رفتہ نقشِ ہستی نقشِ باطل ہو گیا

جب وہ اترا پار رگِ سودا سے بہ نکلا لہو
دردِ دل ہی خود علاجِ وحشتِ دل ہو گیا

نزع میں صورت دکھانے آئے ہیں بیمار کو
اب دوا دیتے ہیں جب مرنے کے قابل ہو گیا

اب تو آغوشِ تصوّر میں مرے آپ آ گئے
اب تو پورا امتحانِ جذبۂ دل ہو گیا

بیخودی، آشفتگی، ناکامیابی، اضطراب
جس جگہ یہ چار عنصر مل گئے دل ہو گیا

ایک دنیا آئی ہے تیمارداری کے لئے
عشق کا بیمار جب دنیا سے غافل ہو گیا

جب تو خنجر لڑی قاتل سے اے ندرتؔ نظر
مجھ کو ساری زندگی کا لطف حاصل ہو گیا

جو تم پر مٹ چکا تم کیوں مٹاتے ہو مزار اس کا
نکالو آنسوؤں کی راہ اب دل سے غبار اس کا

کریں ہم کس توقع پر شبِ غم انتظار اس کا
تغافل جس کی عادت ہو بھلا کیا اعتبار اس کا

محبت جس نے کر لی پھر کہاں صبر و قرار اس کا
نہ دل کا اختیار اس پر نہ دل پر اختیار اس کا

دلِ مرحوم کے بعد اور ایک محشر ہوا برپا
مرے سینے میں ماتم کر رہی ہے جانِ زار اس کا

یہ کس کا درد ہے دل میں؟ نہ پوچھ اے چارہ گر مجھ سے
زباں پہ میری نام آ جائے گا بے اختیار اس کا

دوبارہ زندگی عہدِ وفا کو توڑ ڈالے گی
دکھائے گا اسے محشر میں کیا منہ جاں نثار اس کا

حجابِ ناز بھی تلوار ہے میری نگاہوں میں
نظر اٹھنے نہیں پاتی کہ چل جاتا ہو وار اس کا

ضیا فانوس سے ہوگی دوبالا شمع محفل کی
نقابِ رخ سے ہوگا اور جلوہ آشکار اس کا

مزا آتا ہے کیونکر موت کا دنیا میں جیتے جی
یہ مجھ سے پوچھئے، میں نے کیا ہے انتظار اس کا

ہوائے صبحِ پیری میرے اعضا توڑے دیتی ہو
جوانی میں جو پی تھی اب ابھرا دے گا خمار اُس کا

فنا کے بعد اے ندرتؔ ہم اُس کو یاد آئیں گے
ہماری زندگی تک ہی تغافل ہے شعار اُس کا

وہ ولولے وہ جوشِ جوانی کہاں ہے اب
میرا وجود گردِ پسِ کارواں ہے اب

وہ اضطراب ہے نہ وہ جوشِ فغاں ہے اب
اک پیکرِ خموش دلِ ناتواں ہے اب

یہ وسعتِ نگاہ ہے - یہ ہمتِ بلند
مجھ کو فلک بھی ذرۂ ریگِ رواں ہے اب

بیمارِ غم کے ضعف کی کچھ انتہا نہیں
یعنی کہ تن پہ جامۂ ہستی گراں ہے اب

آیا ہے کیوں جتانے پہ ڈالے ہوئے نقاب
ظالم مری نگاہ سے کیوں بدگماں ہے اب

کہتا ہے چارہ گر بھی مری نبض دیکھ کر
اک درد ہو کہ ہر رگ و پے میں نہاں ہے اب

تو ہی بتا ذرا مجھے اے گوشۂ لحد!
میں جس پہ مر رہا تھا وہ دنیا کہاں ہے اب

قیدِ قفس میں ہم کو تڑپنے سے فائدہ
سودائے خام آرزوئے آشیاں ہے اب

جس سانس کو سمجھتے تھے ہم وجہِ زندگی
ندرتؔ وہی جلے ہوئے دل کا دھواں ہے اب

ہو اگر غمّازِ سوزِ غم بیانِ عندلیب
آتشِ گل داغ دے جل کر زبانِ عندلیب

تھا کبھی اس باغ میں شور و فغانِ عندلیب
یہ خموشی کچھ بتاتی ہے نشانِ عندلیب

ہے نہاں غنچوں میں بھی دردِ نہانِ عندلیب
دل سے نکلا بن کے بو دودِ فغانِ عندلیب

سنتے تھے شبنم ہے لالے کی کٹوری میں مگر
جمع ہیں کچھ اشکِ چشمِ خوں فشانِ عندلیب

زور سے جھٹکا نہ دے صیّاد پھندا ڈال کر
پھول سے نازک ہے جسمِ ناتوانِ عندلیب

صبح کو دل چاک ہر غنچہ پڑی ہے گُل پہ اوس
رات بھر شاید سنی تھی داستانِ عندلیب

گو قفس سے دم اُلجھتا ہے مگر مرنا کہاں
دل پڑا ہی باغ میں پھولوں میں جانِ عندلیب

شاخِ گل پر آشیانہ خود فروشی سے ملا
اونچی ہے بازارِ اُلفت میں دوکانِ عندلیب

کیوں نہ بول اُٹھے زمینِ شعر میں ایک ایک لفظ
ہے صریرِ کلکِ ندرتؔ ہمزبانِ عندلیب

وہ ہیں جفا پسند تو میں ہوں وفا پسند
اُن کی جدا پسند ہے میری جدا پسند

شوخی تری پسند ہے ۔ تیری حیا پسند
ہم کو ادا سے کام ہے ۔ ہم ہیں ادا پسند

ہے دل کی آرزو بھی مرے دل کے ساتھ ساتھ
جب تم یہ چاہتے تھے تو پھر کیوں کیا پسند

اب آرزوئے لذّتِ غم بھی نہیں مجھے
دنیا کو ہے ترا ستمِ ناروا پسند

پہلو میں میرے دل بھی ہے سینے میں جان بھی
اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کرتے ہیں کیا پسند

سو طرح روک تھام ہوا ایک ایک سانس کی
ہیں ہم بھی باغِ دہر میں کتنے ہوا پسند

کہتے ہیں مجھ سے خنجر و ناوک دکھا کے وہ
کر لیجیے اب آپ ہی اپنی سزا پسند

وہ خود بھی چاہتے ہیں تو اُٹھتی نہیں نگاہ
شوخی نے کر دیا ہے نظر کو حیا پسند

ندرتؔ ازل میں پھڑکی تھی پہلے ہی میری آنکھ
میں نے کیا تھا جب دلِ درد آشنا پسند

کرے گا سوزِ پنہاں آنسوؤں کا جوش کم کیونکر
مری آنکھوں میں ہو گا خشک یہ دریائے غم کیونکر

تڑپ اُٹھتا ہے اُن کے آتے ہی بیمارِ غم کیونکر
خدا جانے تنِ بیجاں میں آجاتا ہے دم کیونکر

کسی کے ہجر میں ہو میری دل کی آگ کم کیونکر
جب آنکھیں ہو گئیں پتھر تو نکلیں اشکِ غم کیونکر

ترے سوزِ محبت میں کریں ہم ضبطِ غم کیونکر
لئے بیٹھے رہیں دل کے دھوئیں کو دل میں ہم کیونکر

بہے جاتے ہیں خونِ گرم میں گھل گھل کے ناوک بھی
سلے اے چارہ گر سوزن سے چاکِ زخمِ غم کیونکر

خمارِ بادۂ اُلفت میں دیکھا ہم نے جیتے جی
کھنچا کرتا ہے وقتِ نزع اک اک گھونٹ سے دم کیونکر

یہی دل ہے تو مر کر قبر میں بھی کیا گذر ہوگی
کریں گے ہم وہاں آباد اک دُنیائے غم کیونکر

صبا کو کیا نہ ہوگا رشک پابوسی کی حسرت پر؟
نہ ہوں گا خاک ہو کر میں ترا نقشِ قدم کیونکر

خموشی پر بھی مشکل ہے گزر اک محوِ حیرت کا
وہ رکھیں اپنی بزمِ عیش میں تصویرِ غم کیونکر

قیامت میں اگر ہوگی تو وہ ہے دوسری دُنیا
نظر آئے گی اس دُنیا میں صبحِ شامِ غم کیونکر

تنِ لاغر میں ٹھکرانے سے جان تازہ آتی ہے
وہ کرتے ہیں ہمیں پامال ہوں پامال ہم کیونکر

کسی کی راہ دیکھی رات بھر اک مرنے والے نے
کہیں کیا! صبح تک اٹکا رہا آنکھوں میں دم کیونکر

بنا ہے شمعِ تربت ذرّہ ذرّہ میری تربت کا
کسی نے آکے ندرت آج رکھے تھے قدم کیونکر

بگولے اِس لئے منڈلا رہے ہیں میرے مدفن پہ
کہ یہ دھبّہ بھی کیوں باقی رہے صحرا کے دامن پہ

ہوا مجھ ناتواں کا خون ہی کیا اُن کی گردن پہ
نہ سُرخی اُن کے خنجر پر نہ دھبّہ اُن کے دامن پہ

مسمر ہیں کیوں مرے غنچے؟ اضبطِ آہ و شیون پہ
گلا کیوں گھونٹتے ہیں؟ کیوں چھری کھنچتی ہے گلشن پہ

نہ گھبرا اب بھی اے تاریکئ غم دیکھنے والے
جو تیرے غم کدے میں تھی وہی ہے شمع مدفن پہ

ترقی سوزِ غم کی ہے یہی تو میں دکھا دوں گا
ابھر آئیں گے اک دن آبلے دل کے مرے تن پر

شعاعِ حُسن سے جل بھی گئے سب دیکھنے والے
نقاب اب تک سلامت ہے کسی کے روئے روشن پر

نتیجہ سوچنے کے ہیں ابھی موقع بہت تم کو
بہت رُک رُک کے خنجر چل رہا ہے میری گردن پر

سجھا دی بیوفائی نے جاتے جاتے شمع مدفن بھی
غبار آلودہ دامن کو جھٹک کر میرے مدفن پر

ترے کوچہ میں اب ہم حشر تک کروٹ نہ بدلیں گے
خدا رکھے تری دیوار کا سایہ ہے مدفن پر

سراپا حُسن کی تصویر ہے تو تجھ کو کیا دیکھیں
کہ نظریں جم نہیں سکتیں ترے آئینۂ تن پر

کچھ ایسا خونِ دل پانی ہو اٹھا غم سے اے ندرت
کہ دھبہ تک نہ آیا آنسوؤں سے میرے دامن پر

عشق دشمن سے، وہ اب دل میں پشیماں ہو کر
جھکتے ہیں میری طرف سر بگریباں ہو کر

رُک گیا سانس تو خنجر بُرّاں ہو کر
رہ گئی بیچ میں مشکل مری آساں ہو کر

جب گیا سوئے فلک دستِ دعا میں نے ذرا
کھچ گیا وہ بھی ترا گوشۂ داماں ہو کر

ضعف نے ایسا دبایا کہ پھر اُٹھنے نہ دیا
درد بھی دل میں تڑپتا رہا پنہاں ہو کر

وہ نظر کس سے ملائیں کہ حیا چار طرف
دیکھتی رہتی ہے آنکھوں کی نگہباں ہو کر

کیوں اُجالا نہ ہو ندرت مرے غم خانے میں
داغ جلتا ہے چراغِ شبِ ہجراں ہو کر

کیا کر گئے وہ ایک جھلک اپنی دکھا کر
ہم اُن سے یہ پوچھیں گے کبھی ہوش میں آ کر

دیکھو تو مرے دل کو ذرا سامنے آ کر
آئینہ کو تم طاق میں رکھ دو گے اُٹھا کر

اوّل تو مجھے کوستے ہیں ہاتھ اٹھا کر
پھر کہتے ہیں آ تو بھی مرے ساتھ دعا کر

سب حال سنائیں گے وہ خوش ہوں کہ خفا ہوں
ہم آج نہ رکھیں گے کوئی بات اٹھا کر

رسوائے جہاں اپنی خموشی سے ہوئے ہم
پچھتاتے ہیں اب رازِ محبّت کو چھپا کر

اللہ کی قدرت کے کرشمے بھی عجب ہیں
پتّھر کا دیا دل تجھے انسان بنا کر

کیا دل میں کوئی دردِ محبّت کو چھپا لے
وہ دیکھ لیا کرتے ہیں چٹکی سے دبا کر

ملتے ہیں ابھی دل ابھی ہوتی ہے صفائی
ہم ترکِ فغاں کرتے ہیں تو ترکِ جفا کر

ڈھاتے ہیں ستم بھی وہ مری جان پہ ندرت
پھر کہتے ہیں یہ بھی کہ ستم کا نہ گلا کر

پیے ہیں کس طرح آنسو؟ کیا ہے ضبطِ غم کیونکر
نہ پوچھے اب کوئی ہم سے بھرے بیٹھے ہیں ہم کیونکر

وہ خود مجبور ٹھیرے دیں انھیں الزام ہم کیونکر
ستم کی ان کو عادت ہے کریں ترکِ ستم کیونکر

نکلتا ہے شبِ فرقت کے بیماروں کا دم کیونکر
سحر کو آ کے تم بھی دیکھنا مرتے ہیں ہم کیونکر

اُدھر تم سوچ لو دل میں کہ ڈھاؤ گے ستم کیونکر
اِدھر میں پوچھ لوں دل سے کہ ہوگا ضبطِ غم کیونکر

ترے کوچے سے ناکامِ شہادت جائیں ہم کیونکر
نہ اترے بوجھ ہی سر کا تو پھر اٹھیں قدم کیونکر

مری میّت پہ یہ کہنا کسی کا کیا قیامت ہے
تجھے کوسیں گے اب اے مرنے والے ہائے ہم کیونکر

ہمیشہ تم تو ضبطِ آہ کی تاکید کرتے ہو
تمہیں اس کی خبر کیا گھٹ کے رہ جاتا ہے دم کیونکر

نزاکت روکتی ہے ہاتھ کو تم یہ نہیں کہتے
گلے پہ بیگناہوں کے چلے تیغِ ستم کیونکر

ستم اتنے سہے ہیں یہ کہ وہ تنگ آ گئے مجھ سے
مگر اب بات کی پیچ ہے کریں ترکِ ستم کیونکر

مری میت پہ وہ ہنستے ہوئے آئے خوشی اُن کی
وہ ناواقف ہیں کیا جانیں کیا کرتے ہیں غم کیونکر

اثر کچھ بھی نہیں غم کے فسانوں کا تعجب ہے
سنا کرتے ہو تم کیونکر؟ کہا کرتے ہو ہم کیونکر

مرے رونے پہ تم تو ہنس پڑے، تم کو خبر کیا ہے
مجھے معلوم ہے نکلا ہے اک اک اشک غم کیونکر

وہ جب دیکھیں گے مقتل میں تڑپنا اپنے بسمل کا
رہے گی اُن کے نازک ہاتھ میں تیغِ ستم کیونکر

نہ سوچا پہلے کچھ انجام دُنیا کے مٹانے کا
اب اکثر سوچتے ہیں وہ کریں مشقِ ستم کیونکر

کسی پر آپ کا دل آئے تو ہم آپ سے پوچھیں
ہوا کرتے ہیں ظاہر شکل سے آثارِ غم کیونکر

کچھ اپنی تیغ سے پوچھو کچھ اپنے دستِ نازک سے
کہ نکلا ہے کسی جانباز کا رگ رگ کے دم کیونکر

کلیجہ مُنہ کو آجاتا ہے جب ہم سانس لیتے ہیں
یہ حالت ہے تو اے ندرت کریں گے ضبطِ غم کیونکر

نہوں اسرارِ حسن و عشق ظاہر دوست دشمن پر
جو یہ منظور ہو تو تم نہ آنا میرے مدفن پر

نہیں کیا فائدہ رونے سے اس عریانی تن پر
کہ آنسو بھی لہو کے رنگ دیتے ہیں تو دامن پر

دکھایا میرے اشکوں نے یہ عالم سوزِ پنہاں کا
کہ اک اک داغ دل کی کھینچ دی تصویر دامن پر

بھلا سینا ہی کیا اُس بے حقیقت دل کے زخموں کا
جونہی کہ قطرۂ خوں آ رہا ہے خود نوکِ سوزن پر

کچھ اس انداز سے تلوار کھینچی آج قاتل نے
یہ سمجھا میں کہ شاید چل گئی تلوار گردن پر

یونہی کچھ ہلکے ہو جائیں گے میرے خون کے دھبے
تم اب دو چار آنسو ہی بہا لو اپنے دامن پر

بھڑک اُٹھتے ہیں سینے پر بھی شعلے آتشِ غم کے
سنبھل کر تم قدم رکھنا کسی کی خاکِ مدفن پر

یہ کہہ کر توڑ دی ظالم نے اُمیدِ شہادت بھی
جو خود مرتا ہو اُس کا خون کیوں لیں اپنی گردن پر

ہمیں کیا رشک ہم تو رہروِ راہِ وفا ٹھیرے
ترے کوچے میں سر رکھ دیں نشانِ پائے دشمن پر

ذرا اے چھپنے والے اپنی چلمن کی خبر لینا
نگاہِ گرم پڑتی ہے کسی کی تیری چلمن پر

جو دامن پہ ہمارے ہیں نگاہیں خارِ صحرا کی
تو ہم بھی خار کھائے بیٹھے ہیں صحرا کے دامن پر

یہ گورستان، یہ تاریکی، یہ جھونکے بادِ صرصر کے
یہ سناٹا، یہ عالم بیکسی کا میرے مدفن پر

ستایا ایک بیکس کو فلک نے، غیر نے، تم نے
رہے گا ایک خونِ بیگنہ کس کس کی گردن پر

خزاں کا ذکر کیا، اکثر مری مایوس نظروں سے
اداسی چھا گئی ہے موسمِ گل میں بھی گلشن پر

سیہ بختانِ الفت کا تو مٹ جانا ہی اچھا ہے
کہ ان کا نقشِ ہستی داغ ہے دنیا کے دامن پر

نہ آتا تھا انھیں جب پھیرنا تلوار کا ندرتؔ!
کہا تھا کس نے؟ وہ تلوار رکھیں میری گردن پر

ڈالی تھی اُن کے رُخ پہ کبھی ناگہاں نظر
مانندِ موجِ برق ہے اب تک تپاں نظر

مانا کہ آئیں گے دمِ آخر وہ بے نقاب
اُس وقت کیا کرے گی مری ناتواں نظر

ہر ذرّہ بزمِ دہر کا تصویرِ حُسن ہے
ایسے نگارخانے میں ٹھیرے کہاں نظر

پوشیدہ کیا رہے گا کسی بیگنہ کا خون
ڈھونڈے گی حشر میں بھی تری خوں چکاں نظر

اللہ حُسن و عشق کے اُٹھ جائیں سب حجاب
رہ جائے دیکھنے کو فقط درمیاں نظر

اہلِ نظر پہ گر گئیں سو بجلیاں وہیں
ظالم نے مسکرا کے اُٹھا دی جہاں نظر

آثارِ صبحِ حشر شبِ غم عیاں ہوئے
جب آہ کی اُٹھا کے سوئے آسماں نظر

اِک پا شکستہ بیٹھ کے یہ دیکھتا ہے اب
جاتی ہے کتنی دور پسِ کارواں نظر

آخر مجاز ہی نے حقیقت نگر کیا
پہنچی ہے رفتہ رفتہ کہاں سے کہاں نظر

ہو آں سے میری آنکھوں ہی آنکھوں میں گفتگو
قاصد کا کام کرتی رہے درمیاں نظر

اے محوِ شوقِ دید تجھے کچھ خبر بھی ہے
ہے نازکی سے چہرے پہ اُن کے گراں نظر

غفلت کی تیرہ راہ سے ہو کر گئی ہے عمر
کیا ڈھونڈھتی ہے اُس کے قدم کا نشاں نظر

ندرت وہ مجھ سے کیا دمِ زینت نظر ملائیں
میری نگاہِ شوق سے ہے بدگماں نظر

سوزِ غمِ پنہاں ہو دُنیا پہ عیاں کیونکر
معلوم نہیں ہم کو کرتے ہیں فغاں کیونکر

ہم تجھ کو کریں رسوا تو شکوہ بجا تیرا
روکیں مگر اے ظالم دُنیا کی زباں کیونکر

کچھ حال کہیں اُن سے بیتابیٔ فرقت کا
فرصت ہمیں دے اتنی یہ دردِ نہاں کیونکر

خود میری سمجھ میں بھی یہ راز نہیں آتا
وہ ہو گئے پردے میں رسوائے جہاں کیونکر

تم لاکھ چھپاؤ گے خونِ دلِ عاشق کو
چھوٹے گی قیامت میں خنجر کی زباں کیونکر

وہ ہاتھ مرے دل پہ رکھتے ہیں دمِ آخر
اس وقت اُٹھاؤں میں یہ بارِ گراں کیونکر

دل کی حرکت سے بھی اک آہ نکلتی ہے
حیراں ہوں کہ جیتے جی ہو ضبطِ فغاں کیونکر

دم ہے ابھی آنکھوں میں نبضیں ابھی چلتی ہیں
آئے مری بالیں پہ وہ دشمنِ جاں کیونکر

پیتا ہے غمِ اُلفت ہر وقت لہو دل کا
ندرت مری آنکھیں ہوں خونابہ فشاں کیونکر

روشن ہے سوزِ غم مرا دونو جہان پر
نالے ہیں لب پہ شعلے ہیں میری زبان پر

سجدے جو کر رہا ہوں ترے آستان پر
اس وقت میں زمیں پہ ہوں یا آسمان پر

جس دل پہ تیرا نقشِ محبت ہو جانچ لے
تیرا اے نشانہ باز! لگا نا نشان پر

نازک کلائیوں کی ہے عزت خدا کے ہاتھ
میں سخت جاں ہوں اور وہ ہیں امتحان پر

او جانے والے! دیکھ تو لے پھر پلٹ کے تو
آنکھیں بچھائی ہیں کفِ پا کے نشان پر

درباں کی کیا مجال جو ہم کو اٹھا سکے
سر پھوڑ لیں گے ہم تو ترے آستان پر

ندرت کا دل ہے چار طرف ہیں غم و الم
بیٹھے ہیں اتفاق سے مہمان خوان پر

ہیں بار زمیں کو بھی فلک کو بھی گراں ہم
سو فتنے اٹھیں گے وہیں بیٹھیں گے جہاں ہم

کیا ضعف میں روکیں تجھے اے جوشِ فغاں ہم
اک حشر کا طوفان کہاں اور کہاں ہم

کہتے ہیں تجھے راحتِ دل راحتِ جاں ہم
جب تو نہیں پہلو میں ہمارے تو کہاں ہم

تم شام سے سو جاتے ہو سایہ میں فلک کے
معلوم نہیں رات کو کرتے ہیں فغاں ہم

کیا کیجئے تڑپا نہیں جاتا دمِ آخر
مجبور ہی اب ہو گئے اے دردِ نہاں ہم

ارمان سلامت رہیں زنداں ہو کہ صحرا
دنیا وہیں بس جائے گی بیٹھیں گے جہاں ہم

کیونکر کہیں ہم دل کو کسی بزم میں کھو آئے
یہ یاد ہے دل تھام کے بیٹھے تھے وہاں ہم

صحرا میں یہ کہتے ہیں مرے پاؤں کے چھالے
چھوڑیں گے نہ سوکھی کسی کانٹے کی زباں ہم

محفل میں ہمیں دیکھ کے جھک جاتی ہیں نظریں
ایسے تری نظروں کو گزرتے ہیں گراں ہم

وہ رکھ نہ سکے ہاتھ بھی دل پہ دمِ تسکیں
اس وقت تجھے کیا کہیں اے دردِ نہاں ہم

ندرت وہ دمِ صبح یہ کہتے ہوئے آئے
گنتے رہے شب بھر تری ایک ایک فغاں ہم

افسانۂ دل کرتے ہیں ہر وقت بیاں ہم
ٹکڑا ہے وہ دل کا جسے کہتے ہیں زباں ہم

لو آؤ دکھاتے ہیں تمہیں زخمِ نہاں ہم
کھوئے ہوئے ناوک کا بتاتے ہیں نشاں ہم

پاتے تو ہیں ہر وقت قریبِ دل و جاں ہم
یہ سچ ہے مگر پھر بھی کہاں آپ کہاں ہم

ہوں گے نہ ترے ہجر میں خونابہ فشاں ہم
ہر اشک کو سمجھیں گے ترا رازِ نہاں ہم

اِس بیخودیِ عشق کا عالم ہی نیا ہے
دُنیا کو خبر کیا ہے کہ رہتے ہیں کہاں ہم

دو اپنی محبت ہمیں لیکن یہ بتا دو
اس شعلۂ جانسوز کو رکھیں گے کہاں ہم

تقدیر کی گردش نہ گئی بعدِ فنا بھی
صحرا میں مٹے بھی تو بنے ریگِ رواں ہم

ہم سے یہ روش بزم میں او محوِ تغافل!
یہ بھی نہیں معلوم کہ بیٹھے ہیں کہاں ہم

دھبے سے ہیں کچھ حشر میں دامانِ وفا پہ
دُنیا میں ہوئے تھے کبھی خونابہ فشاں ہم

کیا شکوہ کریں تیرا کہ تصویرِ وفا ہیں
پہلو میں نہ دل رکھتے ہیں منہ میں نہ زباں ہم

ندرت نہ رہا موت کے آتے ہی وہ منظر
کیا خواب میں تھے محوِ تماشائے جہاں ہم

جدائی اس لئے دونوں میں ہم مشکل سمجھتے ہیں
کہ اُن کے تیر کو درد آشنائے دل سمجھتے ہیں

وہ جس دن سے ہمیں اپنی طرف مائل سمجھتے ہیں
اُسی دن سے ہمارے دل کو اپنا دل سمجھتے ہیں

جو ہو تم آنکھ میں تو آنکھ کا ہم تل سمجھتے ہیں
جو ہو دل میں تو تم کو آرزوئے دل سمجھتے ہیں

کسی کا ہو۔ مگر جس دل میں حسرت اُن کی ہوتی ہے
اُسی حسرت بھرے دل کو وہ اپنا دل سمجھتے ہیں

اُٹھا کر داغِ دل ہم نے جگر کی قدر پہچانی
نہیں دل جب سے پہلو میں جگر کو دل سمجھتے ہیں

یہ دل کمبخت ہے اپنی غرض کا اپنے مطلب کا
تم اپنا دل سمجھتے ہو ہم اپنا دل سمجھتے ہیں

مجھے معلوم تو ہو آپ کتنے تیر پھینکیں گے
مرے پہلو میں آخر آپ کتنے دل سمجھتے ہیں

لگائیں کیوں نہ آنکھوں سے چھپائیں کیوں نہ دامن میں
یہ آنسو ہیں مگر ہم ان کو خونِ دل سمجھتے ہیں

مری تصویر کو بھی دیکھتے ہیں ترچھی نظروں سے
مری تصویر کے پہلو میں بھی وہ دل سمجھتے ہیں

نظر جب اُن کی نیچی دیکھتا ہوں کچھ نہیں کہتا
سمجھ لیتا ہوں میں وہ مدعائے دل سمجھتے ہیں

وہ خوں آلودہ پیکاں کو دکھا کر کہتے ہیں ندرت!
یہی ہے آپ کا دل آپ اِسی کو دل سمجھتے ہیں

جو ترکِ عشق کو دارُوئے دردِ دل سمجھتے ہیں
ہم ایسے دوستوں کو دشمنِ قاتل سمجھتے ہیں

رہِ اُلفت میں دل کو رہبرِ کامل سمجھتے ہیں
جہاں دل بیٹھ جائے ہم اُسے منزل سمجھتے ہیں

یہ حیرت کے کرشمے ہیں جو اِس قابل سمجھتے ہیں
مجھے محفل میں وہ آئینۂ محفل سمجھتے ہیں

جب اُن کی ٹھوکروں سے جی اُٹھے کشتے تو فرمایا
وہ مر جائیں الٰہی جو مجھے قاتل سمجھتے ہیں

عدم کی راہ کیونکر ایسے بیماروں سے طے ہوگی
جو اُٹھنے بیٹھنے کو دور کی منزل سمجھتے ہیں

مجھے ہر وقت اُن کی یاد میں رہتی ہے بیہوشی
مگر وہ اپنی جانب سے مجھے غافل سمجھتے ہیں

کریں گے وہ وہ باتیں آئینہ خانے میں کس کس سے
وہ ایسے تخلیہ کو بھی بھری محفل سمجھتے ہیں

ستم ہے تم ہمیں ناکام رکھتے ہو شہادت سے
ذرا اتنا تو سمجھو ہم تمہیں قاتل سمجھتے ہیں

توقف کر ذرا ارمان تیروں کا نکل جائے / ٹھہر جا تجھ کو بھی اے خنجرِ قاتل سمجھتے ہیں
غضب ہے اُن پہ کھلنا ہی کسی کے زخمِ پنہاں کا / اُسے بسمل ہی رکھتے ہیں جسے بسمل سمجھتے ہیں

بنا جس غم کدے کی خود وہ رکھتے آئیں اے ندرتؔ
ہم ایسے غم کدے کو عیش کی منزل سمجھتے ہیں

وعدہ کرتے ہو مگر وعدہ وفا ہوتا نہیں / میری قسمت تم سے اپنا بھی کہا ہوتا نہیں
فوراً آنکھوں پہ اُٹھا لیتے ہیں اربابِ نیاز / جس جگہ پڑتا ہے اُن کا نقشِ پا ہوتا نہیں
دردِ دل کا ضعف میں احساس بھی جاتا رہا / اب میں اُن سے کیا کہوں ہوتا ہے یا ہوتا نہیں
کاٹ کر میرا گلا دھووے زبانِ تیغ کو / او ستمگر خونِ ناحق میں مزا ہوتا نہیں
اُن کے کوچے میں ٹھہر جاتے ہیں کیوں گردشِ نصیب / آسماں تو اُس زمیں کا دوسرا ہوتا نہیں
خستگانِ عشق کو آتا نہیں لطفِ بہار / زخمِ دل جب تک نئے سر سے ہرا ہوتا نہیں
تم کہے جاؤ کسی کو لاکھ ہنس ہنس کر بُرا / کیوں بُرا مانے کوئی جب دل بُرا ہوتا نہیں
صاف ترکش ہو گیا۔ قاتل کی چٹکی رہ گئی / پھر بھی ہے دل کو ہوس دل کا بھلا ہوتا نہیں
بیٹھے ہیں جانباز قسمت آزمانے کے لئے / وائے ناکامی کہ وہ تیغ آزما ہوتا نہیں
رہنے دیتا ہی نہیں قاتل کے کوچہ کا غبار / خون کا چھڑکاؤ جب تک جا بجا ہوتا نہیں

ہو بھلا اس ضعف کا ندرتؔ کہ اُن کی بزم میں
بارِ خاطر میں مثالِ نقشِ پا ہوتا نہیں

ہم جو مقتل کو جھکائے ہوئے سر جاتے ہیں / بندۂ عشق ہیں اللہ کے گھر جاتے ہیں

جیتے جی اہلِ وفا عشق میں مر جاتے ہیں
زیست کے زیست میں احسان اتر جاتے ہیں

بیوفا ہیں وہ دغا دے کے اگر جاتے ہیں
مگر اے حضرت دل آپ کدھر جاتے ہیں

اُن کو ڈر ہے کہیں سویا ہوا فتنہ نہ اُٹھے
میری تربت سے دبے پاؤں گزر جاتے ہیں

وہ بھی ہوتے ہیں جو زندان میں اسیرانِ بلا
قید کے دن یونہی مل جل کے گزر جاتے ہیں

اُن کے جانباز سلامت رہیں جھنڈی نہ سہی
روز ہاتھ ایک نئے خون میں بھر جاتے ہیں

اُن کی محفل میں جگہ مل نہیں سکتی ہم کو
یہ تو ہم خوب سمجھتے ہیں مگر جاتے ہیں

دل تو دل وہ اگر آجاتے ہیں آنکھوں میں کبھی
میرے آنسو بھی گھڑی بھر کو ٹھہر جاتے ہیں

غیر تھا ساتھ مگر پھر بھی وہ گھبرا ہی گئے
مل گیا میں تو کہا آپ کے گھر جاتے ہیں

پہلے آنکھوں میں وہ گھر کرتے ہیں پُتلی کی طرح
پھر تمنّا کی طرح دل میں اُتر جاتے ہیں

جس پہ مرتے ہیں وہ مرنے کا تماشا دیکھے
مرنے والے اِسی ارمان میں مر جاتے ہیں

منزلِ عشق ملا کرتی ہے جانبازوں کو
ایسے ویسے تو یونہی راہ میں مر جاتے ہیں

میرے اور غیر کے دل میں ہیں وہ کانٹے ندرت
سامنا جب کبھی ہوتا ہے اُبھر جاتے ہیں

جو کسی ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہوتا نہیں
نالہ تو ہوتا ہے وہ لیکن رسا ہوتا نہیں

کیا کرے دل دل سے یوں ترکِ وفا ہوتا نہیں
گوشت اے سفّاک! ناخن سے جدا ہوتا نہیں

دیکھنے والوں کی نظریں ہو گئیں چلمن کے پار
وہ سمجھتے ہیں کہ میرا سامنا ہوتا نہیں

بے تکلف پونچھ دو دامن سے تم آنسو مرے
خونِ دل کا کوئی دھبّہ بدنما ہوتا نہیں

رُک گئی اِک نامرادِ عشق کی گردن پہ تیغ
اس کو اب وہ کیا کریں حکمِ خدا ہوتا نہیں

ہو گئی تیرے منانے کی کچھ ایسی دل کو خو
بے کلی رہتی ہے جب تک تو خفا ہوتا نہیں

آنسوؤں میں خونِ دل کی ہے کمی لے تیر یار!
ہم تجھے کیا دیں جب اپنا ہی بھلا ہوتا نہیں

تم سے نظریں پھیر کر کہتے ہیں ہم رودادِ غم
یہ قیامت ہے یہاں پاسِ وفا ہوتا نہیں

اُف یہ تیری نیچی نظریں۔ اُف یہ تیری خامشی
یوں کوئی انسان تصویرِ حیا ہوتا نہیں

بیخودی بھی اک عجب شے ہے کہ بزمِ یار میں
میں ہی میں ہوتا ہوں کوئی دوسرا ہوتا نہیں

رو رہا ہے زخمِ دل اس لُطف کو اے چارہ گر!
جان جاتی ہے ترا نشتر جدا ہوتا نہیں

تھام لیتے ہیں ہمیں دُکھتا ہوا دل ہاتھ سے
بیقراری میں کوئی دردآشنا ہوتا نہیں

وہ مخاطب خط میں بھی کرتے نہیں ندرت مجھے
نام ہوتا ہے مرا حرفِ ندا ہوتا نہیں

اسیرانِ بلا زنداں سے یوں باہر نکلتے ہیں
کہ دیواروں میں جب سر پھوڑتے ہیں در نکلتے ہیں

یہ نالے ناتوانوں کے یونہی کھنچ کر نکلتے ہیں؟
کلیجے منہ کو آجاتے ہیں دل باہر نکلتے ہیں

ہمیں یہ فکر ہے دل میں کہاں تک خون نکلے گا
اُنہیں یہ دیکھنا ہے تیر کب تک تر نکلتے ہیں

تمہاری رہگزر تو کھیت ہے گویا شہیدوں کا
جہاں ٹھوکر لگاتے ہو ہزاروں سر نکلتے ہیں

کلیجا سخت اتنا کر لیا بیمارِ اُلفت نے
کہ اب زخموں سے اُس کے ٹوٹ کر نشتر نکلتے ہیں

نہیں کچھ زندگی کی قدر دُنیائے محبت میں
فنا ہونے کے بعد انسان کے جوہر نکلتے ہیں

بہت بے چین کرتا ہے عدو کا انتظار اُن کو
کبھی وہ گھر میں جاتے ہیں کبھی باہر نکلتے ہیں

نہ چھیڑو دل کو تم ہے اس میں دُنیا آرزوؤں کی
یہ گھر جب ٹوٹتا ہے اس میں گھر ہی گھر نکلتے ہیں

جو قطرے خون کے اُمید شب بھر جمع کرتی ہے
وہ ناکامی ہیں میری آنکھ سے دن بھر نکلتے ہیں

یہ آنکھیں توڑتی ہیں کب طلسمِ رازِ اُلفت کو
یہ آنسو پردۂ مژگاں سے کب باہر نکلتے ہیں

جفا کو اور وفا کو جانتے ہیں جاننے والے
یہ وہ ہیں جن سے حسن و عشق کے جوہر نکلتے ہیں

وہ گھبرا ہی گئے آخر کو جانبازوں کی کثرت سے
کبھی چھریاں نکلتی ہیں کبھی خنجر نکلتے ہیں

طلسمِ حسن سے اک عالمِ حیرت ہے وہ محفل
وہاں انسان جاتے ہیں مگر پتھر نکلتے ہیں

پھر آئی فصلِ گل پھر حسرتِ پرواز تازہ ہے
پھر اے صیاد اسیرانِ قفس کے پر نکلتے ہیں

مرے قلب و جگر میں ہیں جو غم کے زخم اے ندرت
اب اُن کے چھیلنے کو شعر بھی نشتر نکلتے ہیں

بیکس ہیں نامراد ہیں حرماں نصیب ہیں
اے آسماں ہمیں نہ ستا ہم غریب ہیں

غمخوار دم بخود ہیں، پریشاں طبیب ہیں
بیمارِ غم کی موت کے اب دن قریب ہیں

دُنیا میں لذتیں ترے غم کی کسے نصیب
ہم غم نصیب ہیں تو بڑے خوش نصیب ہیں

ہے حسن محوِ ناز تو وقفِ نیاز عشق
یہ قدرتِ خدا کے کرشمے عجیب ہیں

حیران کر رہی ہیں مجھے اُن کی شوخیاں
آنکھوں سے میری دُور ہیں دل سے قریب ہیں

دیں گے مریضِ غم کو دوا دردِ عشق کی
اِن کی سمجھ کہاں ہے یہ کیسے طبیب ہیں

آئینہ میں نثار ہیں خود اپنی شکل پر
ندرت وہ آج کل تو ہمارے رقیب ہیں

نظر میں نے چورائی منہ چھپایا تم نے دامن میں
مری جاں کھل گیا دونوں کا پردہ بزمِ دشمن میں

جو رکھا بھی تو یوں صیاد نے بلبل کو گلشن میں
کہ بازو باندھ کر لٹکا دیا شاخِ نشیمن میں

ہمیں آتا ہے رونا حسرتِ دیدارِ موسیٰ پر
کہ سب کچھ دیکھ کر بھی کچھ نہ دیکھا دشتِ ایمن میں

ہمارے جسمِ عُریاں پہ یہی سامان موزوں ہے
سجے گی پاؤں میں بیڑی پھبے گا طوق گردن میں

دکھا دیتا نتیجہ باندھنے کا چارہ گر تجھ کو
مگر مجبور ہوں میں پھنس رہا ہے ہاتھ دامن میں

جنہیں اُمیدِ نظارہ ہے اُن پر کیا گذرتی ہے
یہی تو دیکھنے کو وہ چھپے بیٹھے ہیں چلمن میں

تڑپنے لوٹنے کا کر دیا تھا چرخ نے عادی
کروں اب کیا کمر تختہ ہوئی جاتی ہے مدفن میں

نہ موسیٰ ہیں نہ کوسوں ہے پتہ برقِ تجلی کا
خدا کی شان اب خاک اُڑ رہی ہے دشتِ ایمن میں

یہ نادانی ہے اُن کی مجھ سے چالیں چلتے ہیں ندرت
وفا کا پاس ہے کچھ ورنہ میں کامل ہوں ہر فن میں

وہ جفائیں ہی کئے جاتے ہیں
ہم دعائیں ہی دیئے جاتے ہیں

غم کو ہم ضبط کئے جاتے ہیں
زہر کے گھونٹ پیئے جاتے ہیں

جن کے خود ٹکڑے کئے جاتے ہیں
وہ گریباں سئے جاتے ہیں؟

کوسنے وہ بھی دیئے جاتے ہیں
ضد ہمیں بھی ہے جیئے جاتے ہیں

بزمِ دشمن میں ہمارا کیا کام
ہم تو صرف اُن کے لئے جاتے ہیں

دم مریضانِ محبت میں کہاں
آپ ہی آپ جیئے جاتے ہیں

دل ہے کہنے کو مگر سچ تو یہ ہے
وہ مری جان لئے جاتے ہیں

اُن اسیروں کی رہائی معلوم
جن کے پر نوچ دیئے جاتے ہیں

اُس جگہ کوئی کرے کیا فریاد
جس جگہ ہونٹھ سیئے جاتے ہیں

اب یہ حالت ہے مریضِ غم کی
سانس مر مر کے لئے جاتے ہیں

ایسی ہی چیز ہے دل او سفاک!
دل کے ٹکڑے ہی کیئے جاتے ہیں

کبھی اُس بزم میں پیتے تھے شراب
اب تو آنسو ہی پیئے جاتے ہیں

دردِ دل تم نے دیا تھا ہم کو
ہم تمہیں جان دیئے جاتے ہیں

آپ کیوں روتے ہیں جانبازوں کو
اب یہ کیا پھر سے جیئے جاتے ہیں

گئے جینے کے مزے اے ندرت
اب تو دن پورے کیئے جاتے ہیں

سنورتے ہیں حسیں تو عاشقوں کی جان ہوتے ہیں
بگڑتے ہیں تو اُن کی موت کا سامان ہوتے ہیں

فدا اُن کی ادا پر دین اور ایمان ہوتے ہیں
بتانِ سنگ دل بھی کیا خدا کی شان ہوتے ہیں

یہ تم نے کیا کہا عاشق کے دل میں کچھ نہیں ہوتا
بہت ہوتی ہیں اُمیدیں بہت ارمان ہوتے ہیں

کوئی مانے نہ مانے ان کو سمجھانے سے مطلب ہے
نصیحت کرنے والے بھی بڑے نادان ہوتے ہیں

تری چٹکی میں جب ہوتے ہیں ہوتے ہیں ترے ناوک
مرے دل میں جب آتے ہیں مرے ارمان ہوتے ہیں

جنابِ دل کی حالت کچھ نہ پوچھو دیکھ کر اُن کو
فدا ہوتے ہیں صدقے ہوتے ہیں قربان ہوتے ہیں

محبت کا نتیجہ ہے زمانے بھر کی رسوائی
فسانہ قیس کا سُن سُن کے بہرے کان ہوتے ہیں

ہم اُن کو دیکھ کر بے خود ہوئے، دل نے ہمیں کھویا
اب اُن پر کیا بنی وہ کس لئے حیران ہوتے ہیں

محبت نے جہاں گھر کر لیا پھر کیا کمی دل میں
یہ ایک ارمان ہوتا ہے تو سو ارمان ہوتے ہیں

ہماری جان لینے میں تمہارا کیا بگڑتا ہے
ہم اپنی جان کے مالک ہیں ہم قربان ہوتے ہیں

مٹے جب سے مرے ارمان دل بھی مر گیا میرا
حقیقت تو یہ ہے ارمان دل کی جان ہوتے ہیں

ہماری نامرادی کوئی دیکھے اُن کی محفل میں
کہ دنیا دیکھتی ہے اُن کو ہم حیران ہوتے ہیں

یہ نظریں یہ ادائیں کچھ اثر دل پر نہیں کرتیں ؟
یونہی ہم صدقے ہوتے ہیں یونہی قربان ہوتے ہیں

وہ ارمانوں کو کیا جانے جو اس سے بھی نہیں واقف
کہ ہیں ارمان بھی دنیا میں کچھ ارمان ہوتے ہیں

نئی دل میں تمنا اک نہ اک ہر وقت پاتا ہوں
مری بربادیوں کے غیب سے سامان ہوتے ہیں

شہیدانِ ستم کا حشر نہیں اُٹھتا قیامت میں
حسینوں کے ستم ہوتے ہیں یا احسان ہوتے ہیں

کلیجا سُننے والوں کا دہل جاتا ہے اے ندرت
ترے نالے نہیں ہوتے ہیں اک طوفان ہوتے ہیں

اُمید و یاس کی نیرنگیوں کا میں تماشا ہوں
ابھی کچھ تھا ابھی کچھ ہوں ابھی کیا تھا ابھی کیا ہوں

تری محفل میں بھی بچنا پڑا ناآشناؤں سے
مجھے تو اب بھی تنہائی کا رونا ہے کہ تنہا ہوں

ہمارے دل میں کھُب کر رہ گیا ہے ناوکِ قاتل
مجھے تم کیا نکالو گے کہ میں خارِ تمنا ہوں

جنوں انگیز ہے وحشت خیالاتِ پریشاں کی
میں اپنے خانۂ ویراں میں گویا دشت پیما ہوں

مجھے بھی وہ سمجھتے ہیں غبارِ خاطرِ نازک
مجھے بھی وہ جگہ دیتے ہیں دل میں میں بھی ایسا ہوں

جفا بھی اک ادا ہے بد دعا سے مجھ کو کیا مطلب
بُرائی تو نے کیا کی ہے جو میں تیرا بُرا چاہوں

تم اچھے ہو مگر کیا قدر اپنے حسن کی تم کو
یہ خوبی میری نظروں میں ہے یوں میں تم سے اچھا ہوں

تعلق ہو گیا قائم تو پھر نفرت کے کیا معنی
یہ مانا تم نہیں میرے مگر میں تو تمہارا ہوں

کروں گا داد محشر سے کیا تیرا گلا ظالم!
نہ میں دنیا میں ایسا تھا نہ اب محشر میں ایسا ہوں

خدا معلوم کب زنداں سے وحشت لے چلے مجھ کو
بندھا بیٹھا ہوں زنجیروں میں لیکن رو بصحرا ہوں

ستم زیبا نہیں ہے جان پر یہ تو خدا کی ہے
مجھے تم جس قدر چاہو ستا لو میں تمہارا ہوں

اُٹھا سکتے ہو فتنے چال سے ایسے تمہیں کیا ہو
ابھی محشر بپا کر دوں فغاں سے میں بھی ایسا ہوں

جسے دعویٰ سخن کا ہو مبارک اُس کو اے ندرت
مجھے تو یہ نہیں آتا میں ایسا ہوں میں ویسا ہوں

ہوش جب اُن کو ہوا مخمور آنکھیں ہو گئیں
وہ شباب آیا نشے میں چور آنکھیں ہو گئیں

بہہ رہی ہیں یہ برابر جب سے کھائے غم کے تیر
زخم تو دل میں پڑے ناسور آنکھیں ہو گئیں

جب یہ دیکھا دل میں وہ چھپتے نہیں ہم مر گئے
پردہ دار جلوۂ مستور آنکھیں ہو گئیں

فرقت ساقی میں اُف رے مستیِ فصلِ بہار
خونِ دل مے بن گیا انگور آنکھیں ہو گئیں

کیا جما تے ہم نظر اس آفتابِ حسن پر
چار آنکھیں ہوتے ہی معذور آنکھیں ہو گئیں

اب نہ آنکھیں پھیرنے والوں پہ ڈالیں گے نظر
آنکھ لڑ کر اے دلِ رنجور آنکھیں ہو گئیں

دیکھنا بھی اب کسی کو ہم نہیں کرتے پسند
جب سے دیکھا ہے انہیں مغرور آنکھیں ہو گئیں

ناز نیرے بازِ تیر انداز ہے انداز یار
صید افگن مفت میں مشہور آنکھیں ہو گئیں

ساغرِ ندرت کو آخر کر دیا اشکوں سے پر
مے جو ساقی نے نہ دی مجبور آنکھیں ہو گئیں

آہ سے کیا فائدہ نالے سے کیا حاصل ہمیں
اُن کے لانے کے لئے کافی ہے جذبِ دل ہمیں

یہ ادائیں ہیں تو ہے دل کی بچت مشکل ہمیں
آپ لیں گے ہم سے دل دینا پڑے گا دل ہمیں

ضبطِ غم کی اک نہ اک دن انتہا ہو جائے گی
سوزِ غم سے اک نہ اک دن پھونک دے گا دل ہمیں

تیرے تیروں کے لئے اے ناوکِ اندازِ ستم
ایسے ایسے سو جگر درکار ہیں سو دل ہمیں

اس قدر ٹکڑے کئے ہیں دل کے اُس سفّاک نے
ایک دل کے اب نظر آتے ہیں لاکھوں دل ہمیں

ناامیدی کا برا ہو حسرتیں سب مٹ گئیں
اب تو پہلو میں نظر آتا ہے دل ہی دل ہمیں

تم نے جب بدلی نظر آئی صدائے دردناک
اس قدر معلوم ہے وجہِ شکستِ دل ہمیں

ہے گرفتارِ محبّت ہم اسے سمجھائیں کیسا
آج کل دشمن سمجھتا ہے ہمارا دل ہمیں

دل کو وہ رکھیں نہ رکھیں یہ رہا دل کا نصیب
ہم تو دل دیں گے انہیں کھنا ہو اُن کا دل ہمیں

دل سلامت ہے تو مرنے کی تمنّا کیوں کریں
آپ ہی زندہ نچھوڑے گا ہمارا دل ہمیں

دل میں پیدا ہو گیا ندرت کسی کا دردِ عشق
اب تو اپنی جان سے پیارا ہے اپنا دل ہمیں

اُن کے جاتے ہی یہ کیسی آپڑی مشکل ہمیں
اپنے دل کو ہم سنبھالیں یا سنبھالے دل ہمیں

لے گئے وہ دل تو دل کے غم سے کیا حاصل ہمیں
داغِ دل پہلو میں ہے اب دل کے بدلے دل ہمیں

اُن کو دل کی بے قراری کا یقیں آتا نہیں
ڈال دینا چاہیے اب اُن کے دل میں دل ہمیں

اس میں اُن کی شکل بھی ہے اس میں ان کا درد بھی
اب یہ آئینہ کا آئینہ ہے دل کا دل ہمیں

جتنے آنسو آنکھ سے نکلے ہیں ٹکڑے دل کے ہیں
اپنے دامن پر نظر آتے ہیں دل ہی دل ہمیں

دے تو دیں دل اُس ستم گر کو مگر انجام کار
کیا کہے گی ہم کو دُنیا کیا کہے گا دل ہمیں

عاشقی میں ہم نے اپنا دل تو اُن کو دے دیا
دوستی میں دیکھنا ہے اب تو اُن کا دل ہمیں

جب ملے شاید کشاکش سے رہائی جان کو
یا تو ہم دل کو مٹا دیں یا مٹا دے دل ہمیں

دل ہمارا پھینک کر ظالم نے غصّہ میں کہا
ہم سلامت ہیں تو دُنیا میں ہزاروں دل ہمیں

پھر کلیجا ہم نے تھاما۔ پھر اُٹھا پہلو میں درد
پھر غشی طاری ہوئی۔ پھر یاد آیا دل ہمیں

تاک میں دل کی ہمیں تیروں سے چھلنی کر دیا
اُس ستم ایجاد نے سمجھا سراپا دل ہمیں

تم نے اپنی راہ میں دل کو کیا ہے پائمال
اب تمہاری راہ کا ہے ذرّہ ذرّہ دل ہمیں

دل کے مضمونوں کا لکھنا سہل اے ندرتؔ نہیں
صفحۂ کاغذ پہ رکھ دینا پڑا ہے دل ہمیں

میں بھی ہوں آپ بھی ہیں دونوں میں خاموش ہے کون
خود بتا دیجئے اب وعدہ فراموش ہے کون

اپنا چہرہ بھی دکھاتے ہیں اُٹھا کر پردہ
یہ بھی وہ دیکھتے ہیں بزم میں بے ہوش ہے کون

غیر سے تو ہے ہم آغوش مگر یہ تو بتا؟
تیری تصویرِ خیالی سے ہم آغوش ہے کون

آپ تو روکتے ہیں مجھ کو لہو رونے سے
دیدہ و دل میں مگر باعثِ صد جوش ہے کون

اب مرے بعد ہوا کس کو وفاؤں کا ملال
یہ مری مجلسِ ماتم میں سیہ پوش ہے کون

بدگماں کیوں ہوں کسی کی نگہِ مست سے ہم
یہ نشہ جوشِ جوانی کا ہے مے نوش ہے کون

آشنا تو نہیں ندرتؔ سے مگر دیکھ تو لے
مثلِ تصویر ترے سامنے خاموش ہے کون

قفس کا در نہیں کھلتا کہاں جائیں کدھر جائیں
تڑپ کر جان دے دیں ہم کہ سر ٹکرا کے مر جائیں

کسی کافر پہ مرنے کے لئے آئے ہیں مر جائیں
ہمیں دنیا سے کیا لینا ہے اپنا کام کر جائیں

وہ جس دن غیر کی بزم عزا میں نوحہ گر جائیں
ہمیں اس دن کو موت آجائے ہم اس دن تو مر جائیں

اگر سوزن سے سل جائیں اگر مرہم سے بھر جائیں
ہمارے زخم دل اے چارہ گر دل سے اتر جائیں

ادھر وہ تنکے بیٹھے ہیں ادھر آئینہ رکھا ہے
اب ان کے دیکھنے والے ادھر آئیں ادھر جائیں

ہماری جان لینے کا کسی کو حوصلہ بھی ہو
خوشی سے ہم تو دم دے دیں خوشی سے ہم تو مر جائیں

انہیں دل دے دیا ہم نے بھلا کیا اعتبار ان کا
وہ جب چاہیں دغا دے جائیں جب چاہیں مکر جائیں

وہ آہوں سے بھی ناخوش ہیں وہ رونے بھی نہیں دیتے
غرض ان کا یہ مطلب ہے کہ ہم گھٹ گھٹ کے مر جائیں

ہمارے دل کی بیتابی سبب ہے گریۂ خوں کا
ہمارا دل ٹھہر جائے تو آنسو بھی ٹھہر جائیں

انہیں کیا فکر انہیں کیا غم پریشانِ محبت کا
اگر جیتے ہوں بچ جائیں اگر مرتے ہوں مر جائیں

غنیمت ہے کسی کے وصل کی امید اے ندرت
نہ ہو اس کا سہارا ابھی تو ہم دو دن میں مر جائیں

یہ تم نے کیا کہا ہم ہجر میں جی سے گزر جائیں
نہ آئے موت بھی ہم کو تو کیا بے موت مر جائیں

نظر بدلے ہوئے وہ پھیر کر خنجر جدھر جائیں
ہزاروں دم نکل جائیں ہزاروں سر اتر جائیں

تری فرقت میں جو صدمے گزرنے ہوں گزر جائیں
ہمیں اس کا نہیں غم کل کے مرتے آج مر جائیں

عیادت کو وہ آئے ہیں تو بس اتنا ٹھہر جائیں
کہ جو بیمار مرنے کے لئے بیٹھے ہیں مر جائیں

تمہاری یاد تو مرنے پہ بھی بے چین رکھے گی
جو مر کر چین آجائے تو ہم سو بار مر جائیں

تم اپنے مرنے والوں کی قضا بن کر چلے آؤ
تمہارے مرنے والے تاکہ آسانی سے مر جائیں

دلِ خوں گشتہ کے بدلے ہماری جان حاضر ہے
جو آئے ہیں تو کیوں خالی ترے تیرِ نظر جائیں

سمجھتے ہیں اسی کو ہم تو حاصل زندگانی کا
ترے در تک پہنچ جائیں پھر اس کے بعد مر جائیں

کہا ظالم نے جب نالے سنے اپنے مریضوں کے
یہ چلّاتے ہیں کیوں مرنا ہے تو چپکے سے مر جائیں

جو تم آنسو بہاؤ ہاتھ رکھ کر میرے سینے پر
پھپھولے دل کے دب جائیں جگر کے زخم بھر جائیں

کسی کی جلوہ گاہِ ناز میں جاتی ہے اک دُنیا
مگر ہم جائیں اے ندرتؔ تو کس اُمّید پر جائیں

دل کی آہیں کیا رکیں سینے ہی میں جب دم نہیں
کیا کریں ہم ضبطِ غم جب تابِ ضبطِ غم نہیں

اب تو قائم ایک حالت پر مریضِ غم نہیں
دو گھڑی کو اُس میں دم ہے دو گھڑی کو دم نہیں

جان ہی دیدیں تڑپ کر ہم میں اتنا دم نہیں
موت بھی اب کیا کرے مرنے کے قابل ہم نہیں

سہتے سہتے غم سراپا بن گئے تصویرِ غم
اب ہمارا جسم لاغر پردہ دارِ غم نہیں

ہم تو بیخود ہیں لئے جائیں وہ دل میں چٹکیاں
درد کی کیا حس ہمیں جب ہوش میں ہی ہم نہیں

یک بیک ٹھیرا ہے دل تو خوش نہ ہو اے چارہ گر
یہ تو حالت دوسری ہے دردِ دل کچھ کم نہیں

قتل کر کے میان میں رکھتے ہو کیوں شمشیر کو
یہ مرا لاشہ تو ہے مانا کہ اس میں دم نہیں

آپ پہنا دیں گلے میں طوق اپنے ہاتھ سے
پھر اگر نالہ کروں میں تو اسیرِ غم نہیں

بے بسی کی انتہا ہے، ضعف کی حد ہو گئی
اک سایہ سا ہے بستر پہ مریضِ غم نہیں

پوچھنے والا نہیں کوئی ہماری بات کا
یوں الگ بیٹھے ہیں اس محفل میں جیسے ہم نہیں

ہوتی ہے ایک ایک گھڑی غم کی قیامت سے دراز
غمزدوں کی زندگی کتنی ہی کم ہو کم نہیں

اُن کے کوچے میں پڑا رہتا ہوں سایہ کی طرح
ٹوک سکتے ہیں وہ تو کہہ دیتا ہوں مجھ میں دم نہیں

میں نے ندرت اِس سلیقے سے کیا ہے ضبطِ غم
جوشِ گریہ ہے مگر آنکھوں میں میری نم نہیں

دل میں سما کے دل کی وہ جان ہو گئے ہیں
عاشق کی زندگی کا سامان ہو گئے ہیں

وہ میری آہ سن کر حیران ہو گئے ہیں
اب کیا ستم کریں گے، اب کان ہو گئے ہیں

اب اور ایک دل کی ہوگی مجھے ضرورت
تعداد سے زیادہ ارمان ہو گئے ہیں

ادنیٰ سا اک کرشمہ یہ بزمِ حُسن کا ہے
نظّارہ کرنے والے حیران ہو گئے ہیں

زنداں میں آبسے ہیں چاروں طرف سے وحشی
دشتِ جنوں کے گوشے ویران ہو گئے ہیں

تھے خونِ دل کے قطرے دو چار بے حقیقت
آنکھوں میں میری آکر طوفان ہو گئے ہیں

کچھ پند گو کے فقرے کچھ ہمدموں کے جملے
بیمار کی اجل کا سامان ہو گئے ہیں

اے حُسنِ یار ہم نے کی خاک قدر تیری
مانا کہ جان و دل سے قربان ہو گئے ہیں

حیرانیوں کا میری پر تو پڑا کچھ ایسا
اب میری طرح وہ بھی حیران ہو گئے ہیں

دل لے کے بھول جائیں ایسے نہیں وہ ناداں
اس وقت مصلحت سے نادان ہو گئے ہیں

ندرت! یہ بُت ہمارے دل سے نہیں نکلتے
ارمان ہو گئے ہیں ایمان ہو گئے ہیں

دیکھئے کیا دل لگانے کی سزا پاتا ہوں میں
آج مجرم بن کے اُن کے سامنے جاتا ہوں میں

صبح شوقِ دید میں اُن کی طرف جاتا ہوں میں
شام کو اپنا سا منہ لے کر چلا آتا ہوں میں

پی کے تصور ہی سے اکثر بے ہوش ہو جاتا ہوں میں
دوسرے عالم کی اے ساقی خبر لاتا ہوں میں

دل کو وحشت میں غمِ گیسو سے بہلاتا ہوں میں
ایسے دیوانے کو یوں زنجیر پہناتا ہوں میں

یا تو صاف انکار ہو یا وصل کا اقرار ہو
آپ کی الجھی ہوئی باتوں سے گھبراتا ہوں میں

وہ دیئے جاتے ہیں عرضِ مدعا پر گالیاں
کچھ نہیں کرتا خیال اپنی کہے جاتا ہوں میں

آپ نے مجھ کو بلایا ہے عدو کی بزم میں
لیجئے تسلیم، شامل ہو چکا، جاتا ہوں میں

آج تو قسمت ہی کھل جائے درِ زنداں کے ساتھ
السمد واے جوشِ وحشت سر کو ٹکراتا ہوں میں

میں ہوں دیوانہ مجھے اے ناصحِ مشفق نہ چھیڑ
تو ہے ناداں اس غرض سے تجھ کو سمجھاتا ہوں میں

اللہ اللہ گرمیٔ ہنگامۂ آہ و فغاں
رات بھر گویا فلک سے آگ برساتا ہوں میں

ہو گیا ہے غم سے ندرت کس قدر کمزور دل
عاشقی کے نام سے بھی اب تو گھبراتا ہوں میں

ہجر کی شب ہے کوئی مونس نہیں ہمدم نہیں
اُف رے تنہائی کہ دنیا ہی میں شاید ہم نہیں

وہ ہمیں پامال کر ڈالیں، ہمیں کچھ غم نہیں
غم تو اس کا ہے کہ اُن قدموں کے قابل ہم نہیں

ہو گیا برباد وہ دل جس میں اُن کا درد تھا
ہم کو رونا درد کا ہے اپنے دل کا غم نہیں

کہہ گئے وہ ایک ناوک پھینک کر دل کی طرف
اب نہ کہنا تم کوئی دل کا شریکِ غم نہیں

عمر اے صیاد گزری ہے تڑپتے لوٹتے
اب رہا ہو کر کریں کیا؟ بازوؤں میں دم نہیں

کم سے کم اتنی تو ہو پابندیٔ آدابِ ضبط
عشق کی دنیا میں ہم یوں چپ ہیں جیسے ہم نہیں

جان دے لذت شناس غم تو کس امید پر
تم سراپا شوخ ٹھہرے دل سراپا اضطراب
ٹنے والا تھا او پہ تیری عالم مٹ گیا
اپنے ترکش میں نہ دیکھو اپنے تیروں کی کمی

سن چکا ہے وہ کہ اس دنیا میں تیرا غم نہیں
میرے تڑپانے کو کچھ تم کم نہیں دل کم نہیں
تجھ پہ کیا الزام ہے، تو قاتل عالم نہیں
آؤ ان زخموں میں گن لو کوئی ناوک کم نہیں

ندرت ان کے آتے ہی ٹھہری ہماری پتلیاں
ان کو کیا دیکھیں کہ آنکھوں ہی میں اپنی دم نہیں

عالم شوق میں جب گوشہ نشیں ہوتے ہیں
مائل سجدہ اگر خاک نشیں ہوتے ہیں
منفعل اپنی جفا پر وہ کہیں ہوتے ہیں
بے وفا ہوتے ہیں، غارت گر دیں ہوتے ہیں
آپ کی راہ میں جو خاک نشیں ہوتے ہیں
ہائے اب وقت کہاں ہے جو مناؤں ان کو
موت کے آتے ہی دینے لگے اعضا بھی جواب
تا کجا عشق کی دنیا میں رہیں خانہ خراب
لذت زخم نہاں کے لئے پیتا ہوں میں
دیکھیے عکس سے اب کیسی قیامت ہو بپا
کاٹنے پڑتے ہیں زندان عناصر میں ضرور

گھر میں کیا ہوتے ہیں ہم اور کہیں ہوتے ہیں
کیوں ترے نقش قدم چین جبیں ہوتے ہیں
خود گلا کر کے پشیمان ہمیں ہوتے ہیں
مجھ سے پوچھے کوئی جیسے حسیں ہوتے ہیں
ایسے مٹتے ہیں کہ پیوند زمیں ہوتے ہیں
وہ خفا مجھ سے دم باز پسیں ہوتے ہیں
جیتے جی کے ہی سبب جان حزیں ہوتے ہیں
ہم بھی آباد ہیں اب زیر زمیں ہوتے ہیں
مجھ کو معلوم ہے آنسو نمکیں ہوتے ہیں
آئینہ دیکھ کے وہ چیں بجبیں ہوتے ہیں
جتنے دن قید کے اے جان حزیں ہوتے ہیں

یہ تصور کا کرشمہ ہے کہ تاثیرِ خیال
آپ ہوتے ہیں جہاں ہم بھی وہیں ہوتے ہیں

جب اُٹھاتا ہے نگاہِ غضب آلود کوئی
سامنے آنکھوں کے اُس وقت ہمیں ہوتے ہیں

چٹکیاں دل میں مرے آپ لیں ہنس ہنس کر
زخم شرمندۂ حسنِ نمکیں ہوتے ہیں

مجھ کو داغوں سے یہ معلوم ہوا اے ندرتؔ
دل کے آئینہ پہ بھی نقش و نگیں ہوتے ہیں

تصور تھا تمہارا اور تمہاری آرزو دل میں
خدا جانے ہوئی کیا چپکے چپکے گفتگو دل میں

ہوا ہے اب مرا شوقِ شہادت سرخرو دل میں
پیا ہے ناوکِ قاتل نے جی بھر کر لہو دل میں

نہ کوئی مدعا ہوگا۔ نہ کوئی آرزو دل میں
رہے گی عمر بھر اے ناامیدی تو ہی تو دل میں

عدو کے سامنے تم نے مجھے دیکھا تو کیا دیکھا
نہ میری وقعت آنکھوں میں نہ میری آبرو دل میں

کہاں کی ناتوانی تم ذرا تلوار تو کھینچو!
خوشی سے خود بخود بڑھ جائے گا سیروں لہو دل میں

تصور اُن کا آتا ہے تو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں
تمنا، مدعا، ارمان، حسرت، آرزو دل میں

تجھے اللہ اے اُمیدِ وصلِ یار خوش رکھے
کہ تیرے دم سے روشن ہے چراغِ آرزو دل میں

ابھی کچھ کچھ پتا چلتا ہے ارمانوں کے گلشن کا
ابھی باقی ہے مرجھائے ہوئے پھولوں کی بو دل میں

ہماری بے قراری فوق رکھتی ہے قیامت پہ
ہمیشہ چٹکیاں لیتا ہے کوئی فتنہ جو دل میں

خدا جانے نمازِ شیخ کا انجام کیا ہوگا
کہ وصلِ حور کی نیت ہے ہنگامِ وضو دل میں

یقیں ندرتؔ کو ہو سکتا نہیں جھوٹی محبت کا
اگر تو دل بھی اپنا ڈال دے اے حیلہ جو دل میں

بھلا ہم اور سودائے محبت چھوڑ سکتے ہیں — نصیحت گر سخن پرور ہیں، دیوانے ہیں بکتے ہیں

دل اُن کا غم سے جلتا ہے۔ یہاں آنسو ٹپکتے ہیں — لگی دشمن سے گھر میں آگ۔ پانی ہم چھڑکتے ہیں

گلے پر پھیر کر خنجر ابھی کیوں ہاتھ دھوتے ہو — ابھی تو جان باقی ہے، ابھی تو ہم سسکتے ہیں

غمِ گیسو ہے۔ آنسو ہیں رواں، روشن ہیں داغِ دل — اندھیری رات ہے برسات ہے جگنو چمکتے ہیں

انہیں تیغ و کماں کی کیا ضرورت قتلِ عاشق پہ — وہ خود نخوت سے کھنچتے ہیں، نزاکت سے لچکتے ہیں

ہے قلب و جگر پہ ضعف ہیں داغِ غم بھاری — وہ نازک وقت ہے اب پھول کانٹوں کو کھٹکتے ہیں

گئے کیا سوئے دشمن پھر نہ پابوسی ہوئی حاصل — تمہارے نقشِ پا اب تک تمہاری راہ تکتے ہیں

جدھر جائیں گے وہ مجمع اُدھر ہوگا حسینوں کا — جہاں سورج نکلتا ہے وہیں ذرّے چمکتے ہیں

اب اوڑ اوڑ کر ہوا سے اور میری خاک لپٹے گی
مجھے بھی ضد ہے اے نادرؔ جو وہ دامن جھٹکتے ہیں

نہیں ہے آئینہ میں غیر کوئی کیوں جھجکتے ہیں — اُنہیں کی شکل ہے میری نظر سے دیکھ سکتے ہیں

ہرے ہوتے ہیں فصلِ گل میں زخم انگور پکتے ہیں — برنگِ مے جگر سے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں

رفوگر! آج کیا ہیں، اشکِ خوں ہیں میرے دامن پہ — فقیروں کی تو گدڑی میں ہمیشہ لعل ٹکتے ہیں

اُلجھتے ہیں ہمیں سے دشت میں کانٹا ہمیں سے ہے — ہمیں اک خار ہیں شاید جو کانٹوں کو کھٹکتے ہیں

نہیں پہچانتا کوئی وہ صورت غم نے بدلی ہے — مسافر کی طرح ہم تو وطن میں بھی بھٹکتے ہیں

چھپیں گے غیر سے کیا۔ رکھتے ہیں پردہ محبت کا — دکھانے کے لئے وہ منہ سے دامن ڈھکتے ہیں

یہی ہیں وجہِ رسوائی انہیں کو مجھ سے چشمک ہے — یہی دو چار آنسو میری آنکھوں میں کھٹکتے ہیں

جگر ایسا کہ دل اپنا فدا کرتے ہیں اس بت پہ
بچے گھیرا ہے کوئی مجھ سے پوچھے قدر کانٹوں کی
رہا خط بندہ یونہی کھل گئیں بے تابیاں میری
یہ جذبِ شوقِ منزل ہے یہ قسمت اپنی الٹی ہو
شکر للہ غیروں کو شریک فاتحہ خوانی

کلیجا یہ کہ ہم شیشے کو پتھر پہ پٹکتے ہیں
کہ اس جنگل میں پردہ میری عریانی کا ڈھکتے ہیں
جو دیکھا اس نے مرغِ نامہ بر کے پر پھڑکتے ہیں
قدم رکھتے ہیں آگے وہ قدم پیچھے سرکتے ہیں
ارے ظالم یہ کانٹے میرے پھولوں میں کھٹکتے ہیں

نہیں اُن کی نگاہِ گرم۔ اک بجلی ہے اے ندرت
نہیں وہ سرخ آنکھیں۔ قہر کے شعلے بھڑکتے ہیں

اب وہ سرخی ہے لہو کی نہ وہ نم آنکھوں میں
مستیِ حسن نہ تھی حشر سے کم آنکھوں میں
نیند صبحِ شبِ غم بھی مجھے آئے کیونکر
میری آنکھوں میں ہے کون اُن سے جو پوچھا تو کہا
کون آیا یہ عیادت کو دمِ بازِ پسیں ؟
کر گئی کام وہ دزدیدہ نظر آخر کار
جب نگہ مل گئی پھر اُن کو تکلف کیا تھا
آگیا ہم کو بھی رونے کا سلیقہ آخر
تشنہ کاموں سے غلط پیاس بجھانے کی اُمید
پھرتی ہے اُن کی نگاہوں میں ہماری تصویر

آگیا تیرا اثر اے تپِ غم آنکھوں میں
ہو گئی اُن کی حیا اور ستم آنکھوں میں
اب بھی پھرتی ہے بلائے شبِ غم آنکھوں میں
ہم بتائیں تجھے؟ ہم رہتے ہیں ہم آنکھوں میں
آگیا کھنچ کے مرے سینے سے دم آنکھوں میں
دل کو کہتے تھے اسی واسطے ہم آنکھوں میں
دل میں آ بیٹھے وہ رکھتے ہی قدم آنکھوں میں
اشکِ خوں اب نہ زیادہ ہیں نہ کم آنکھوں میں
پانی دیکھے تری شمشیرِ دو دم آنکھوں میں
جان دی ہم نے کہ گھر کر گئے ہم آنکھوں میں

سمجھئے میری نگہ بازپسیں ہے! سمجھئے!
دیکھئے دیکھئے! کچھ ہے ابھی دم آنکھوں میں

اک نظر دیکھ کے تم کو کہیں جی بھرتا ہے
تم پہ قابو ہو تو رکھ لیں تمہیں ہم آنکھوں میں

اس قدر جمع کئے خون کے آنسو میں نے
ہو گیا حشر کا طوفان بہم آنکھوں میں

صبح تک آپ ہی آئے نہ اجل ہی آئی
کٹ گئی یونہی ہماری شبِ غم آنکھوں میں

میری آنکھوں کو تو پامال نہ کر قتل کے بعد
میں نے رکھی تھی تری خاکِ قدم آنکھوں میں

جب تک آتے نہیں دامانِ مژہ تک آنسو
ضبطِ اُلفت کا جبھی تک ہے بھرم آنکھوں میں

چار آنکھیں اگر آج اُن سے ہوئی ہیں ندرت
کچھ اشارے بھی تو ہو جائیں بہم آنکھوں میں

شب کی بزمِ عیش کا عبرت اثر افسانہ ہوں
میں چراغِ کشتہ ہوں خاکسترِ پروانہ ہوں

عقل سے ناآشنا ہوں، ہوش سے بیگانہ ہوں
میں ادب دانِ جنونِ عشق ہوں دیوانہ ہوں

کیا لگائیں مجھ کو منہ یارانِ بزمِ انبساط
شیشۂ بشکستہ ہوں۔ ٹوٹا ہوا پیمانہ ہوں

کشتۂ تیغِ خزاں، افتادۂ دورِ جہاں
غنچۂ پژمردہ ہوں میں، سبزۂ بیگانہ ہوں

زندگانی میری وقفِ گریۂ خاموش ہے
میں کسی مظلوم و بیکس کا چراغِ خانہ ہوں

میں نے ہی افشا کیا ہے بادۂ اُلفت کا راز
میں ہی خود تقصیر دارِ لغزشِ مستانہ ہوں

توڑنے والا ہے زنجیریں مری۔ میرا جنوں
خود بخود آزاد ہو جاؤں گا وہ دیوانہ ہوں

پیستے ہیں مجھ کو مل مل کر زمین و آسماں
زیرِ سنگِ آسیا ہوں گوہرِ یکدانہ ہوں

نوحۂ ماتم سمجھئے مری اک اک آہ کو
یعنی میں اپنے دلِ مرحوم کا افسانہ ہوں

اب سنا دے گی قضا کا حکم آوازِ شکست ‌ ‌ ‌ بادہ کش کے ہاتھ سے چھوٹا ہوا پیمانہ ہوں

حسن بے پروا کو بھی سمجھو تماشا کر لیا ‌ ‌ ‌ ہوں تو میں دیوانہ مطلب کا مگر دیوانہ ہوں

ہے جنونِ عشق میں سارا جہاں وحشت سرا ‌ ‌ ‌ میں بھری دنیا میں وقفِ سیر صد ویرانہ ہوں

امتحاں گاہِ وفا کی ہے اگر مشکل مہم
میں بھی اے ندرت سراپا ہمتِ مردانہ ہوں

قتیلِ تیغِ نگاہ ہوں میں شہیدِ اندازِ یار ہوں میں ‌ ‌ ‌ شفق اگر آسماں پہ ہوں زمیں پہ لالہ زار ہوں میں

بتا دے اے بیخودی یہ کیا ہے کوئی تو دل میں چھپا ہوا ہے ‌ ‌ ‌ یہ چٹکیاں کون لے رہا ہے جو اس قدر بے قرار ہوں میں

پکارتا ہے جمال اس کا وہ دیکھ دیکھو نقاب الٹا ‌ ‌ ‌ کیا نہ آگاہ پھر نہ کہنا جو پردہ سے آشکار ہوں میں

ادھر ہی طرف او کماں والے جو آئے تو گیسوؤں کو ڈالے ‌ ‌ ‌ نکل کے پہلو سے طائرِ دل پکار اٹھے شکار ہوں میں

سنا رہی تھی کسی کی فرقت نہ دی جو نالوں نے رات فرصت
اسی پہ دعویٰ ہے تجھ کو ندرت! کہ شیخ شب زندہ دار ہوں میں

عنادل نے نکالا اس طرح کا نٹا گلستاں میں ‌ ‌ ‌ کہ ایک ایک پھول چن کر رکھ لیا گلچیں نے داماں میں

نگاہیں کیا گئیں دھوکہ خیالِ چشمِ جاناں میں ‌ ‌ ‌ گلِ نرگس سے ہم آنکھیں لڑا بیٹھے گلستاں میں

وہ دل میں آئیں پھر جور و جفا کی دو دو باتیں ہوں ‌ ‌ ‌ لگاوٹ بھی ہو کچھ باہم شکایت ہائے پنہاں میں

پئے روشن سحر گل جھڑ کے لبوں سے جل گئے غنچے ‌ ‌ ‌ وہ آئے سیر کو کیا آگ لگ اٹھی گلستاں میں

وہ اب دشمن کے گھر جایا کریں گے میری جانب سے ‌ ‌ ‌ ترقی اور ہوگی میری پامالی کے ساماں میں

خزاں میں جال بھی صیاد اگر ڈالے تو کیا حاصل ‌ ‌ ‌ جسے کہتے تھے بلبل اب وہ عنقا ہے گلستاں میں

گھٹا جاتا تھا دم ہاں اب ہوا صحرا کی آئے گی ۔ مری آہوں نے روزن کر دیئے دیوار زنداں میں

دم رخصت ذرا وعدہ تو اپنا یاد رکھیں گے ۔ گرہ دیدی ہے میں نے اپنے دل کی ان کے داماں میں

بھلا دے اے تغافل کیش نام غیر کو دل سے ۔ سبق پڑھ باب اول کا کتاب طاق نسیاں میں

کرو غصہ نہ ظاہر چھپکے چھپکے گالیاں دے لو ۔ کہ آتا ہے مزا ہم کو نوازش ہائے پنہاں میں

تڑپنا، لوٹنا، کروٹ بدلنا، بیٹھنا، اٹھنا ۔ بہت آرام کے پہلو ہیں ہم کو درد ہجراں میں

ملے کیا مجھ سے گویا از سر نو زندگی بخشی ۔ وہ ہم پہلو ہوئے کیا روح پھونکی جسم بیجاں میں

مرے دل کا. عدو کے خط کا کتنا پاس ہے ان کو ۔ اسے مٹھی میں رکھا ہے اسے باندھا ہے داماں میں

ملا دے تو ہی پڑ کر درمیاں اے پنجۂ وحشت ۔ تفاوت ہاتھ بھر کا ہے مرے جیب و گریباں میں

ہیں دامن چاک وحشت سے تمہارا پردہ در دشمن ۔ مجھے کہتے ہو منہ تو ڈال کر دیکھو گریباں میں

ادب مانع ہے ناصح ورنہ وحشت تو یہ کہتی ہے ۔ مرا اک ہاتھ ہو دامن میں تیرے اک گریباں میں

ہوا ہے آج کل مجمع گرفتاران الفت کا
بہار آئی ہے ندرت خوب سر پھوٹیں گے زنداں میں

جان اپنی ہم برائے نام لے کر آئے ہیں ۔ زندگی کا اپنے سر الزام لے کر آئے ہیں

سب جہاں محفل میں زریں جام لے کر آئے ہیں ۔ ہم بھی اے ساقی سفال خام لے کر آئے ہیں

چارہ گر کو لائے ہیں میرے دکھانے کے لئے ۔ میرے ہمدم موت کا پیغام لے کر آئے ہیں

دیکھئے افتاد کیا پیش آئے بزم یار میں ۔ ہم تجھے ساتھ اے دل ناکام لے کر آئے ہیں

کیوں نہ ہوں محشر میں اب نالے کہ سب ہیں تازہ دم ۔ مرنے والے آپ کے آرام لے کر آئے ہیں

رہروانِ عشق تھک کر بیٹھ سکتے ہیں کہیں
تجھ کو ساتھ اے گردشِ ایام لے کر آئے ہیں

ہم کو پہنچایا ہے بیتابی نے تیری بزم تک
ہر قدم پہ دردِ دل سے کام لے کر آئے ہیں

زندگی سمجھو اُسے یا زندگی کا آسرا
دل میں ہم اک حسرتِ ناکام لے کر آئے ہیں

رہنے دیگا چین سے ذوقِ اسیری کب ہمیں
آشیاں میں آرزوئے دام لے کر آئے ہیں

سجدۂ تسلیم شاید اب تو ہو جائے قبول
بتکدے میں ہم خدا کا نام لے کر آئے ہیں

کیا خبر دُنیا میں ہو گی کامیابی کوئی شے
ہم تو ندرتؔ ابحثِ نا فرجام لے کر آئے ہیں

دِل کے ٹکڑے ہوئے تقسیم جو پیکانوں میں
درد نے اُٹھ کے کہا ہم بھی ہیں مہمانوں میں

فرق کب ظاہر و باطن کا ہے دیوانوں میں
داغِ غم سینوں میں ہیں چاک گریبانوں میں

کیا کرے موت بھی اب تیرے گراں جانوں میں
سانس آ آ کے اٹک جاتے ہیں ارمانوں میں

زندگی دل کو ملی آپ کے ارمانوں سے
خاتمہ دل کا ہوا آپ کے ارمانوں میں

وہ اک آوارۂ غربت کی سیہ بختی ہے
کہتے ہیں شامِ غریبی جسے ویرانوں میں

شاید آتا ہے تصور میں کوئی حشر خرام
آتی ہے دل کے دھڑکنے کی صدا کانوں میں

کھُل گیا دشت نوردوں کے فنا ہونے سے
عدم آباد کی راہیں ہیں بیابانوں میں

اُٹھ گئیں خانۂ دل سے خلشیں آپس کی
اب ترے تیر بھی گھُل مل گئے ارمانوں میں

ہیں نے رکھا ہے اِن آنکھوں میں تصور تیرا
دیکھ ادھر ایں بھی ہوں اک تیرے نگہبانوں میں

خاک کے ڈھیر پہ کیوں روتی ہے اے شمعِ سحر
اب تری آگ کہاں سوختہ سامانوں میں

جوشِ دیوانوں کا مٹ جائے نہ ضبطِ غم سے / ہاتھ رہ جائیں نہ شل ہو کے گریبانوں میں

طور کا نام ہی بدنام ہے اے برقِ جمال / ورنہ اک دل بھی تو تھا سوختہ سامانوں میں

جوشِ اُلفت پہ تجھے کیوں ہے بھروسا ندرتؔ!
کیا کیا قوّتِ پرواز نے پروانوں میں

پی کے خوں آبلہ پاؤں کا بیابانوں میں / خار سرکش تھے مگر دب گئے احسانوں میں

پھول اشکوں کے بھرے جاتے ہیں دامانوں میں / موسمِ گل ہے، بہار آئی ہے دیوانوں میں

ہے جدا مجھ سے یگانوں میں نہ بیگانوں میں / کیا تری یاد بھی ہے میرے نگہبانوں میں

گرد آلودہ ہیں رُخسار ہیں دامانوں میں / دولتِ دشتِ جنوں لُٹ گئی دیوانوں میں

آپ کیوں رُخ سے اُٹھاتے نہیں محفل میں نقاب / شمع کو دیکھیئے بے پردہ ہے پروانوں میں

چاہیئے اے لحدِ تنگ تجھے اتنا خیال / عمر دیوانوں کی گذری ہے بیابانوں میں

بحرِ اُلفت میں یہی سانس ہیں دل کے دُشمن / ہو گی غرقاب یہ کشتی انھیں طوفانوں میں

پا برہنہ چلا آتا ہے کوئی آبلہ پا / کہہ دو کانٹوں سے کہ بچھ جائیں بیابانوں میں

منحصر زندگیِ عشق ہے بیہوشی پہ / ہوش اک عنصرِ معدوم ہے دیوانوں میں

بادہ نوشوں کے لئے صبح کو بادہ نہ سہی / بُو تو ہے رات کے ٹوٹے ہوئے پیمانوں میں

کچھ نہ کچھ آ ہی گئے عشق کے آداب اُسے / چار دن بھی جو رہا آپ کے دیوانوں میں

قیس کے دم سے ہی تھا عالمِ وحشت آباد / خاک ہی اُڑتی ہے اب نجد کے ویرانوں میں

نحن واقرب تو کہو تم رگِ گردن کے قریب / کیا تماشا ہے کہ آئے نہ صدا کانوں میں

دل سے یُوں آتا ہے آنکھوں میں لہو اے ندرت
جس طرح شیشے سے مے آتی ہے پیمانوں میں

سرِ محشر یونہی ہو فیصلہ راضی اگر تم ہو
تمہاری جستجو مجھ کو لئے پھرتی ہے ہر جانب
نہ دیکھا تنکے چلنے سے کوئی پامال ہوتا ہے
نہ دل قابو میں ہو اپنا نہ ہم ہوں اپنے آپے میں
رہِ اُلفت میں اپنے کھوئے جانے کی نہیں پروا
بھری محفل میں ہو روپوش مجھ سے، وائے رسوائی

خدا ہو بیچ میں منصف اِدھر میں ہوں اُدھر تم ہو
میں وہ گم کردہ منزل ہوں کہ جس کے راہبر تم ہو
جوانی کے نشے میں ہائے کتنے بے خبر تم ہو
یہ سب کچھ باخوشی منظور، پہلو میں مگر تم ہو
مجھے تو جستجو یہ ہے کہ میری راہ پر تم ہو
تمہارا رازِ اُلفت کیا چھپے جب پردہ در تم ہو

لڑائی تم سے ندرت! یوں ہو مقتل میں تو لُطف آئے
اُدھر خنجر بکف وہ ہوں، اِدھر سینہ سپر تم ہو

جنوں میں زیب جب دیتی ہو عریانی مرے تن کو
کبھی آئینہ اُس کافر کے آگے سے نہیں ہٹتا
گراتے ہیں تو وہ مجھ ناتواں کو اپنی نظروں سے
کسی کے شیشۂ دل کو کسی کے جام کو توڑا

کوئی دیوانہ ہوں کھوں جو پھر میں جیب و دامن کو
تماشا ہے برہمن پُوجتا ہے اک برہمن کو
جگہ دیتے ہیں آنکھوں پہ تو وہ دیتے ہیں دشمن کو
نہ چھوڑا محتسب! پیری میں بھی تو نے لڑکپن کو

نقاب اُٹھا مگر مژگاں نہ اُٹھیں اُن کی اے ندرت
نہیں یہ وہ مگر ڈالے ہوئے بیٹھے ہیں چلمن کو

مژدۂ وصل وہ کیا آئے سنانے ہم کو
مار ڈالا لبِ اعجاز نما نے ہم کو

آپ بھی جائیں کہ آیا ہے عدو کا پیغام
ہم بھی جائیں کہ بلایا ہے خدا نے ہم کو

پھر گیا دیر کو دل کعبہ کی نیّت کی تھی
راہ میں دھوکہ دیا قبلہ نما نے ہم کو

اُن کا آنا تھا کہ ہم ملکِ عدم میں پہنچے
کیا وہ آج آئے تھے رستہ ہی بتانے ہم کو

مر چکے تھے مگر اب جان چھڑا کر غم سے
کر دیا زندۂ جاوید قضا نے ہم کو

ہم قیافے سے تو عاشق ہی ترے ثابت ہیں
چاہے تو دیدہ و دانستہ نجانے ہم کو

ندرتؔ! اپنا جو تکبّر سے ہوا پہ ہے دماغ
یہ سکھایا ہے زمانے کی ہوا نے ہم کو

تمہیں اپنی خبر کیا مجھ سے پوچھو تم کہ تم کیا ہو
مری آنکھوں کی پُتلی ہو، مرے دل کی تمنّا ہو

محبّت میں ہوں میں بے مثل، تم صورت میں یکتا ہو
نہ مجھ سا ہے نہ مجھ سا ہو، نہ تم سا ہے نہ تم سا ہو

برائی ہم نے کی ہے تو برائی اس کا بدلا ہو
تمہیں ہم چاہتے ہیں جس طرح تم بھی ہمیں چاہو

کریں گے ہم تو روشن دونو گوشے خانۂ دل کے
اِدھر ہو داغِ ناکامی اُدھر داغِ تمنّا ہو

مری وحشت، تمہاری شرم دونو ننگِ عالم ہیں
میں عریانی سے ہوں بدنام تم پردہ سے رسوا ہو

ہماری آبلہ پائی دمِ اعجاز رکھتی ہے
جہاں جوشِ جنوں میں پاؤں رکھ دیں خار پیدا ہو

بنے بیٹھے ہو تصویر اِس ادا کے ہم نہیں قائل
تکلّم ہو، تبسّم ہو، کنایہ ہو، اشارا ہو

عدو جانباز ہے مجھ سے زیادہ، کیا کہا تم نے؟
یہ بات ایسی ہے جس سے خون اُتری جوش پیدا ہو

ہمیشہ بت پرستی تو نے کی ہے بیدھڑک ندرتؔ!
دمِ آخر تو کچھ خوفِ خدا ہو خوفِ عقبےٰ ہو

جفائیں کر رہا ہے عاشقوں پر اے ستمگر تو
بتا کیا منہ دکھائے گا خدا کو روزِ محشر تو

جلا بھی دے مجھے کیا سوچتا ہے اے ستمگر تو
لگا بھی دے خدا کا نام لے کر ایک ٹھوکر تو

اثر ہوتا نہیں نالے مرے سنتا ہے اکثر تو
بتا دے اے تغافل کیش انساں ہے کہ پتھر تو

خدا جانے یہ آرائش ہے یا کوئی تماشا ہے
اُدھر حیراں ہوا آئینہ اُدھر بیٹھا ہے ششدر تو

اگر ضد ہے تو ہم بھی تیرے در پر جمکے بیٹھے ہیں
نہ دشمن جا سکے گھر میں نہ نکلے گھر سے باہر تو

مجھے جتنی محبت ہے تجھے اتنی عداوت ہے
غرض دونو ہیں اب نازاں وفا پر میں جفا پر تو

جسے پینی ہے اے ساقی وہ چلو ہی سے پی لیگا؟
کسی میکش کی خاطر کیوں اُٹھائے بارِ ساغر تو

دغابازی بھی ہوتی ہے مگر مل کر نہیں ہوتی
تجھے ہم دوست کیا سمجھیں کہ ہو دشمن سے بدتر تو

میں دیوانہ ہوں اے ناصح تو یہ مرضی خدا کی ہے
تجھے تشویش کیوں ہے کیا بدل دے گا مقدر تو

اگر کچھ اونچی نیچی بات ہو نامہ اُنہیں دیکر
تو اے قاصد دعائیں دیکے کر دینا برابر تو

پھنسا ہے دامِ اُلفت میں بڑے صدمے اُٹھائے گا
ہماری بات ندرتؔ! یاد رکھنا زندگی بھر تو

نالہ بیکار اگر پُر اثر آواز نہ ہو
آہ بے سود اگر سوز نہ ہو، ساز نہ ہو

منتظر شب کو اگر عاشقِ جانباز نہ ہو
چشم بر راہ نہ ہو، گوش بر آواز نہ ہو

دل کی حسرت ہی نہ کردے کہیں دل کو برباد
صاحبِ خانہ نہ ہی اب خانہ بر انداز نہ ہو

نامہ اُس شوخ نے بھیجا ہے خدا خیر کرے
یہ بھی فقرہ نہ ہو، اس میں بھی کوئی راز نہ ہو

ذبح کے بعد پھڑکتے ہیں جو بازو صیاد!
اب بھی بُلبل کو کہیں حسرتِ پرواز نہ ہو

جب ہم کر ڈالتے ہو غیر کی تصویر میں جان ۔۔۔ عمر بھر کو کہیں جھوٹا لبِ اعجاز نہ ہو
کیا یہ انصاف ہے اے انجمن آرائے جمال؟ ۔۔۔ سب تری بزم میں ہوں عاشقِ جانباز نہ ہو
مجھ کو افسوس کہ وہ اور رقیبوں سے کلام ۔۔۔ اُن کی تاکید کہ سُن! اور خلل انداز نہ ہو

ساری دُنیا پہ تو کھُل جائے حقیقت ندرت!
میری بیتابیِ دل کا اُنہیں انداز نہ ہو

ہم ہوں، اور وہ ہوں، ہمارا کوئی ہمراز نہ ہو ۔۔۔ گفتگو اُن سے تصوّر میں ہو آواز نہ ہو
قتل ہو کر جو سبک عاشقِ جانباز نہ ہو ۔۔۔ تیغِ قاتل کے شہیدوں میں سرافراز نہ ہو
صید پہ تیرِ خطا اے قدر انداز نہ ہو ۔۔۔ دل کو تاکا ہے تو ترچھی نگہِ ناز نہ ہو
کیا ستم ہے کہ کریں وہ تو جفاؤں پہ غرور ۔۔۔ کیا غضب ہے کہ وفاؤں پہ ہمیں ناز نہ ہو
اُن کی آنکھوں میں کیا ہے دلِ ناشاد نے گھر ۔۔۔ کہیں آنسو کی طرح اب نظرانداز نہ ہو
تا کجا ضبطِ محبت دلِ دیوانہ کرے ۔۔۔ تا کجا جوشِ جنوں پردہ درِ راز نہ ہو
تجھ سے اس درجہ ہے سہمی ہوئی بلبل صیاد! ۔۔۔ چھوڑ بھی دے اُسے تو ہمّتِ پرواز نہ ہو
تیغ وہ مجھ پہ اُٹھاتے ہیں خدا خیر کرے ۔۔۔ بیچ میں میری قضا کشتۂ انداز نہ ہو
کیا کروں باغ میں جب صورتِ مرغِ تصویر ۔۔۔ قوّتِ نغمہ نہ ہو، طاقتِ پرواز نہ ہو
دردِ دل شور مچاتا ہے کہ میں آہ کروں ۔۔۔ ضبطِ غم حلق دباتا ہے کہ آواز نہ ہو
ہم ہیں آگاہ تری تنگدلی سے ساقی! ۔۔۔ اس لئے اوک سے پیتے ہیں کہ انداز نہ ہو
ناتوانی میں جو حالت ہے یونہی ظاہر ہے ۔۔۔ کیا کہوں آپ سے جب دم نہ ہو آواز نہ ہو

وصل کی شب ہے تو پردہ بھی اٹھا دو رُخ سے
تخلیہ ہے تو حیا بھی خلل انداز نہ ہو

وہ بھی کیا آنکھ ہے؟ جس میں نہ ہو تیرا جلوہ
وہ بھی کیا دل ہے؟ جو خلوت کدۂ ناز نہ ہو

طائرِ دل کو وہ مٹھی میں دبا لیں ندرت!
تا کہ ہمرنگِ حنا مائلِ پرواز نہ ہو

کیا یاد کریں گے تری برگشتہ نظر کو
دیکھا ہی نہیں، دیکھ کے ایک بار ادھر کو

دیکھا بھی مرے جذبِ محبت کے اثر کو
جاتے تھے کدھر آپ نکل آئے کدھر کو

پیوستہ جو دیکھا ہے ترے تیرِ نظر کو
اِک تازہ خلش رہنے لگی دل سے جگر کو

دل میں نے دیا، مجھ سے چراتے ہو نظر کو
قربان میں اس شرم کے دیکھو تو ادھر کو

فرصت ہی نہ رونے سے ملے دیدۂ تر کو
اتنی تو ترقی ہو مرے خونِ جگر کو

وہ ہنس کے مٹا دیتے ہیں شکوہ خلشوں کا
سی دیتے ہیں گویا دہنِ زخمِ جگر کو

اُس وقت قیامت تھی وہ صحرا کی اداسی
ہمارہ رو مجھے کھینچ کے جب لائے تھے گھر کو

بیمارِ محبت نہیں مرتا، نہیں مرتا
اُمید جو ہے یہ کہ وہ آئیں گے سحر کو

یاد آتی ہیں اب اُن کو شہیدوں کی وفائیں
بیٹھے ہیں پشیمان جھکائے ہوئے سر کو

دشمن تو اُنہیں دیکھ رہا ہے دمِ زینت
ہم دیکھتے ہیں یاس سے دشمن کی نظر کو

ندرت! ہے یہی ناوکِ قاتل کی نشانی
جیتے ہیں تو اب دیکھ کے ہم زخمِ جگر کو

بےخوف و خطر پھینکتے ہیں تیرِ نظر کو
کچھ چیز سمجھتے ہیں نہ دل کو نہ جگر کو

کیا کیجئے برگشتہ مقدر کے اثر کو
شرما کے یہ کیا کہتے ہو دیکھو نہ اِدھر کو
یوں ہم نے چھپایا ہے محبت کی نظر کو
کس ناز سے وہ پھینکتے ہیں تیر اِدھر کو
اِک رات کے مہماں ہیں جی کھول کے رو لیں
چٹکی میں نمک ہے تو لبوں پہ ہے تبسم
دشمن سے تعلق ہے مگر چھیڑ ہے مجھ سے
بیمارِ شبِ ہجر سحر تک نہ بچے گا
رکھا تھا نزاکت سے کبھی ہاتھ جو تم نے

جاتا ہوں اُدھر کو تو وہ آتے ہیں اِدھر کو
کیا اپنی نظر سمجھے ہو تم میری نظر کو
دشمن کی طرح بزم میں دیکھا ہے اُدھر کو
کس شوق سے پھر دیکھتے ہیں زخمِ جگر کو
اے شمع نہ تو ہوگی نہ ہم ہوں گے سحر کو
بیٹھے ہیں وہ بھرنے کے لئے زخمِ جگر کو
جاتے ہیں اُدھر کو تو گذرتے ہیں اِدھر کو
تکلیفِ عیادت وہ نہ فرمائیں سحر کو
پھر اُٹھنے کی جرأت نہ ہوئی دردِ جگر کو

ندرتؔ! کبھی تم اُن سے نظر ہی نہ ملانا
نظروں میں پرکھتے ہیں محبت کی نظر کو

شمع کے دل سے پوچھئے عشق کے سوز و ساز کو
دل کی طرف اُڑا ئیے تیرِ نگاہِ ناز کو
جائیں گے بندگانِ عشق اور کہاں نماز کو
دل سے دعائیں کیوں نہ دیں عشقِ کرشمہ ساز کو
حد سے بڑھا نہ دے کہیں اس غمِ دل گداز کو
تیرے مریضِ ہجر کی چارہ گری تو ہو چکی

محوِ سکوت کر دیا کیسی زباں دراز کو
پوچھئے زخمِ دل سے پھر حسرتِ دل کے راز کو
در پہ ترے جھکائیں گے اپنے سرِ نیاز کو
زینتِ دل بنا دیا حسرتِ دل نواز کو
یاس مٹا نہ دے یونہی لذّتِ سوز و ساز کو
اب تو دعائے خیر کی فکر ہے چارہ ساز کو

حدِ نظر ہے امتحاں میری نگاہِ شوق کا
دیکھ رہا ہوں خواب میں تیرے حجابِ ناز کو

جس کے لئے تھی یہ بلا اب وہ جہاں سے اٹھ گیا
رکھے لپیٹ کر فلک غم کی شبِ دراز کو

سنئے خوشی سے آپ بھی نوحۂ مرگِ آرزو
لیجئے دل میں چٹکیاں چھیڑیئے غم کے ساز کو

تیغ گلے پہ پھیریئے سینہ نہ چاک کیجئے
پردے میں رہنے دیجئے اپنی حریمِ ناز کو

دل کی رگوں سے کھنچ کے دم آئے لبوں پہ لاکھ بار
ہم نہ زباں پہ لائیں گے دل سے کسی کے راز کو

ہو گئی چاک میں کیا کمی شورشِ دل مٹ گئی کیا
چاٹیں گے رکھ کے زخمِ دل مرہمِ چارہ ساز کو

ندرتؔ نامراد سے کہتی ہے اُن کی چشمِ شوخ
دیکھ نگاہِ یاس سے عشوۂ بے نیاز کو

تہ زانو دبا کر کیا کرے گا قتل تو مجھ کو
تڑپنے سے تجھے ضد ہے تڑپنے کی ہے خو مجھ کو

اسیری کی ہوئی ہے اب تو اے صیاد خو مجھ کو
قفس کو خود نہ چھوڑوں میں اگر چھوڑے بھی تو مجھ کو

یہ جسمِ ناتواں اور پڑ گئی رونے کی خو مجھ کو
لہو دل میں نہیں اور چاہیے سیروں لہو مجھ کو

تمہیں اندازہ کیا ہے تنگنائے دل کی وسعت کا
نظر آتا ہے اس میں اک جہانِ آرزو مجھ کو

جب آنکھیں ڈھونڈھتی ہیں تیرا نظارہ نہیں ہوتا
جب آنکھیں بند ہوتی ہیں نظر آتا ہے تو مجھ کو

وفا مجھ پہ جفا تجھ پہ غرض یوں ختم ہو جائے
کہ چاہوں میں ہی میں تجھ کو ستائے تو ہی تو مجھ کو

قفس میں کچھ خیال آتے ہی بیہوشی ہوئی طاری
ہوائے فصلِ گل نے یہ سنگھائی کیسی بو مجھ کو

تجھے دیکھا ادا سے تو نے میں نے جان دی تجھ پہ
کسی نے سچ کہی ہے یہ مثل میں تجھ کو، تو مجھ کو

پڑا ہوں سایۂ دیوار بن کر تیرے کوچے میں
جہاں تک کر سکے پامال کر اے فتنہ جو مجھ کو

جہاں چھڑکا ہے زخمِ دل پہ چٹکی بھر نمک تم نے | وہیں بڑھتا نظر آیا ہے چلّو بھر لہو مجھ کو

مٹا دے گی اسے بھی یاس لوحِ دل سے اے ندرتؔ
نظر آتا ہے اِک دھندلا سا نقشِ آرزو مجھ کو

نہ آیا گفتگو کا ہوش اُن کے روبرو مجھ کو | کچھ ایسا تو نے گھیرا اے ہجومِ آرزو مجھ کو
کہوں میں ہائے کس دل سے ستاتا ہے عدو مجھ کو | کہ اُس کی آڑ میں ظالم! نظر آتا ہے تو مجھ کو
ہوئی ہے بیخودی کیا آج تیرے روبرو مجھ کو؟ | ہمیشہ دیکھتا ہے دوسرے عالم میں تو مجھ کو
اِدھر کچھ دھجیاں دامن کی لپٹیں بیڑیاں ہو کر | اُدھر تارِ گریباں ہو گیا طوقِ گلو مجھ کو
نہ دے جنبش لبِ نازک کو اظہارِ تمنّا پر | ذرا نیچی نظر سے دیکھ لے شرما کے تو مجھ کو
تلاشِ دل نے مجھ کو جلوہ گاہِ یار میں کھویا | جب اُس کی جستجو تھی اب ہے اپنی جستجو مجھ کو
نتیجہ اُن سے کہنے کا نہیں کچھ اے دلِ ناداں | نظر آتا ہے بے تعبیر خوابِ آرزو مجھ کو
ستمکش سارِی دُنیا میں ستمگر سارے عالم میں | ملا ہوں ایک میں تجھ کو ملا ہے ایک تو مجھ کو

تصوّر میں ہوئے ہیں ہم بغل وہ مجھ سے اے ندرتؔ
کہ اپنے پیرہن سے آ رہی ہے اُن کی بُو مجھ کو

کچھ بھی نہ تھا نکلتے ہی پیکانِ آرزو | تھی دل کی جان کاوشِ پنہانِ آرزو
پہلے تو دل کو پھونک لیا ضبطِ آہ سے | اب دم بخود ہیں سوختہ سامانِ آرزو
آئی ہو مجھ کو نیند تو آنکھیں ہی پھوٹ جائیں | دیکھا ہے جب سے خوابِ پریشانِ آرزو
میں اُن کی آرزو کو سمجھتا ہوں جانِ دل | وہ میرے دل کو جانتے ہیں جانِ آرزو

اے آسمان کچھ تجھے خوفِ خدا بھی ہے / یہ دل، یہ بحرِ عشق، یہ طوفانِ آرزو

دنیا میں کیا پڑھے گا کوئی میری سرگزشت / لکھا ہے دل کے خون سے عنوانِ آرزو

آئی دمِ اخیر صدائے شکستِ دل / ٹوٹا ہے آج کیا درِ زندانِ آرزو

ہے دل میں خارِ غم تو نکلنے کی کیا اُمید / اُلجھا رہے گا گوشۂ دامانِ آرزو

رگ رگ میں دل کی جال ہے اُمید و بیم کا / اب کش مکش سے چھوٹ چکی جانِ آرزو

ہم سے رُکے گا گریۂ بے اختیار کیا / پوشیدہ ہے ہر اشک میں طوفانِ آرزو

قاتل سے ہو رہی ہے قیامت میں بازپرس / ہم کہہ رہے ہیں ہم ہیں شہیدانِ آرزو

الزام سر پہ حُسن کی رُسوائیوں کا ہے / ہے ابتدا سے عشق پشیمانِ آرزو

ندرتؔ سے کہہ رہی ہیں اُمنگیں شباب کی / کیا اب کچھ اور چاہیے سامانِ آرزو

گِلا اب زندگی بھر کے تغافل کا نہیں ہم کو / کہ تم نے اک نظر دیکھا ہے وقتِ واپسیں ہم کو

تردّد بیکسی کا دشتِ غربت میں نہیں ہم کو / مٹا دے گا فلک ہم کو دبا دے گی زمیں ہم کو

خدا جانے قیامت میں ہوں کتنے دیکھنے والے / گلے ملنا مناسب ہے یہیں تم کو یہیں ہم کو

اُٹھاتے ہو تم اپنی بزم سے اچھا خدا حافظ / یہاں کا ذکر کیا، اب تم نہ دیکھو گے کہیں ہم کو

خداوندا! یہ کیسی کش مکش ہے کوئے قاتل میں / قدم جب ہم اُٹھاتے ہیں پکڑتی ہے زمیں ہم کو

یہ حُسن و عشق کا کیسا تعلّق ہے کہ دُنیا میں / نہ ہم دیکھیں کہیں تم کو نہ تم دیکھو کہیں ہم کو

قدم باہر نہ رکھا زندگی بھر ہم نے صحرا سے / کبھی وہ کہہ گئے تھے وحشیِ صحرا نشیں ہم کو

ذرا اے رونے والے اور اب دل تھام کر بیٹھیں — وہ ظالم دیکھنے آتا ہے وقت واپسیں ہم کو

بھلا ایسا بھی کیا رونا جو آنسو پونچھنے چاہیں — نہ ہو کافی گریباں جیب دامن آستیں ہم کو

فلک سے بھی کبھی دب کر نہ نکلے وہ جفاکش ہیں — دباتی ہے لحد میں کیا سمجھتی ہے زمیں ہم کو

ہماری زندگی بھی کیا مصیبت ہے محبت میں
کہ ندرت کوستی ہے رات دن جانِ حزیں ہم کو

ملا تھا جب ازل کے دن دلِ اندوہگیں ہم کو — یہ پہلو چاک کر کے پھینک دینا تھا وہیں ہم کو

گراں ہے سانس تک لینا بھی اے قلبِ حزیں ہم کو — پھر اتنے ضعف پہ ہم جی رہے ہیں آفریں ہم کو

تجھے لے کر بغل میں آج جانا ہے کہیں ہم کو — مگر دھوکا نہ دینا اے دلِ اندوہگیں ہم کو

ادھر تو ہے اجل کا سامنا اے ہمنشیں ہم کو — ادھر وہ پوچھنے آئے ہیں وقت واپسیں ہم کو

تری تلوار جب تک میان سے باہر ہوئی قاتل — عجب کیا ذبح کر دے یہ نگاہِ خشمگیں ہم کو

الٰہی زندگی کا ساتھ ہے راہِ محبت میں — ہماری زندگی دھوکا نہ دے جائے کہیں ہم کو

ہمیں منظور ہے مرنا مگر یہ کب گوارا ہے — نظر آئے تری آنکھوں پہ تیری آستیں ہم کو

سلامت سوزِ غم ہم دفن ہو کر بھی دکھا دیں گے — بہ رنگِ شعلہ باہر پھینک دے گی خود زمیں ہم کو

نظر ہم سے نہ پھیرو حشر میں ناآشنا بن کر — ذرا پھر یاد کر لو تم نے دیکھا تھا کہیں ہم کو

پھر اس انداز سے وہ پوچھتے ہیں حالِ دل ہم سے — ندآتا ہو تو آ جائے محبت کا یقیں ہم کو

کہیں کیا حوصلہ بڑھتا ہے کتنا جوشِ وحشت میں — نظر آتا ہے جب دامن قریبِ آستیں ہم کو

کریں گے پہلے وہ پامال ہم کو اپنے کوچہ میں
بچیں گے اُن سے کچھ تو پیس ڈالے گی زمیں ہم کو

ضرورت کیا کہ وہ دیکھیں ہمیشہ ہم کو اے ندرتؔ
بہت کافی ہے ایک اُن کی نگاہِ دلنشیں ہم کو

دل چلا، جان چلی، یار کے پیکاں کے ساتھ
گھر بھی، گھر والے بھی، رخصت ہوئے مہمان کے ساتھ

دل کی صحبت خانۂ عالم میں بڑی مشکل ہے
کہیں اللہ اُٹھالے مجھے ایمان کے ساتھ

کبھی برچھی، کبھی پیکاں، کبھی شمشیر رواں
نگہِ یار بدل جاتی ہے ہر آن کے ساتھ

جوشِ وحشت میں کھلا پردۂ رازِ اُلفت
دامنِ صبر ہوا چاک گریبان کے ساتھ

بیخودی! اب تو بس اک تو ہی نظر آتی ہے
رنگ بھی اُڑ گیا میرا مرے اوسان کے ساتھ

سادگی بھی ہے، نزاکت بھی ہے، بھولا پن بھی،
آپ تصویر میں بھی آئے تو کس شان کے ساتھ

جیتے جی دل سے نکلنا نہیں ممکن ندرتؔ!
اُس کا ارمان ہے وابستہ مری جان کے ساتھ

کاوشِ ناوکِ نظر کو نہ دیکھ
دیکھ! میرے دل و جگر کو نہ دیکھ

اپنے جلوے کی شان رکھ ملحوظ
میری کوتاہیِ نظر کو نہ دیکھ

خونِ دل کا یہ آبگینہ ہے
قہر سے میری چشمِ تر کو نہ دیکھ

موسمِ گل میں اے اسیرِ قفس
کھول کر اپنے بال و پر کو نہ دیکھ

ساری محفل ہے محوِ نظّارہ
مجھ سے کہتے ہیں تو اُدھر کو نہ دیکھ

ہے ترا ورد حوصلہ افزا
میرے دل کو مرے جگر کو نہ دیکھ

میری روداد ہے معانی خیز
میرے الفاظِ مختصر کو نہ دیکھ
ناتوانوں کا ذبح کرنا کیا
تیزیٔ خنجر نظر کو نہ دیکھ

بیکسی تیرے ساتھ ہے ندرتؔ!
وحشتِ غربت میں راہبر کو نہ دیکھ

جس وقت دل چلا نگہِ دلستان کے ساتھ
دم بھی مرا نکل ہی گیا اک فغاں کے ساتھ
جاتا ہے یوں بھی کوئی کسی میہمان کے ساتھ
ہم جیسے ہو لئے اجلِ ناگہاں کے ساتھ
رخصت ہوئے حواس ہمارے فغاں کے ساتھ
یا کارواں چلا جرسِ کارواں کے ساتھ
یہ مشورہ ہے آج تو سوزِ نہاں کے ساتھ
ہو جائے دل کا کام تمام اک فغاں کے ساتھ
دیکھی تھی جس نے گرتے ہوئے برق دور سے
وہ بدنصیب جل نہ گیا آشیاں کے ساتھ
ہم مثلِ گرد بیٹھ گئے تھک کے راہ میں
جب ضعف سے چلا نہ گیا کارواں کے ساتھ
ہے ناوکِ نظر بھی ترا شوخ کس قدر
رکھتا ہے چھیڑ چھاڑ دلِ ناتواں کے ساتھ
تھکتا ہے کون گردشِ پیہم سے دیکھئے
ضد آ پڑی ہے ہم کو بھی اب آسماں کے ساتھ
ہے زندگی کا راز یہی جنبشِ خفی
نبضیں ہماری چلتی ہیں دردِ نہاں کے ساتھ
ڈالی چمن میں ہم نے بنا آشیاں کی کیوں
بجلی کو دشمنی ہی سہی آشیاں کے ساتھ

پیری میں دل کے ولولوں کی جستجو فضول
ندرتؔ! گیا وہ قافلہ عمرِ رواں کے ساتھ

کوئی ہمسر چاہیئے، کوئی مقابل چاہیئے
روبرو اُن کے مرا آئینۂ دل چاہیئے

ہم کو اپنی زندگی دشوار ہے دل کے بغیر
تم کو اپنی دل لگی کے واسطے دل چاہیئے

تم پہ میری طرح کیا قربان ہوگا مدعی
جان دینے کو کلیجا چاہیئے، دل چاہیئے

آپ کیا جانیں کہ دل کی آرزو کیا چیز ہے
آپ دل کے آشنا ہیں، آپ کو دل چاہیئے

چاہیئے انسان کے پہلو میں اک دل بھی مگر
بے غرض دل چاہیئے، بے مدعا دل چاہیئے

ترچھی نظروں کے اشارے کر رہے ہو بار بار
سیدھے لفظوں ہی میں کہدو "تم ہمیں دل چاہیئے"

ہوتی ہے دل کے لئے دنیا میں حسرت کی تلاش
لیکن اُس ظالم کی حسرت کے لئے دل چاہیئے

دل مرا لیتے ہو خیر اپنا ہی دل دیدو مجھے
یوں بھی میں خوش ہوں مجھے دل کی جگہ دل چاہیئے

جس میں گھر کر لیں ہزاروں غم، ہزاروں حسرتیں
آدمی کے واسطے اِتنا بڑا دل چاہیئے

ہیں تو دو نذر کرنے کے لئے موجود ہوں
آپ کو کیا چاہیئے؟ سر چاہیئے؟ دل چاہیئے

ہر کسی کو ضبطِ غم کا حوصلہ ہوتا نہیں
اس کو پتھر کا جگر، فولاد کا دل چاہیئے

مجھ سے دل لے کر وہ کہتے ہیں کہ یہ کس کام کا
یہ نہیں کہتے کہ دل دینے کو بھی دل چاہیئے

مجھ سے اب دیکھا نہیں جاتا ہے دل کا اضطراب
اب تو اس کے دیکھنے کو آپ کا دل چاہیئے

جو بہت ہم سے کھنچیں جو دور کھنچیں آپ کو
ہم اُنہیں اب کھینچ لائیں جذبۂ دل چاہیئے

مجھ سے نفرت ہے تو ہوگی دل سے بھی نفرت تمہیں
تم نے کس دل سے کہا ہم کو تمہارا دل چاہیئے

دیکھ لیں ندرت کی تم نے آرزوئیں دیکھ لیں
اب بھی کیا دل کی ہوس ہے، اب بھی کیا دل چاہیئے

لبِ بام اُن کو پا کر جو کبھی کلام کرتے
تو کلیم بن کے ہم بھی دو جہاں میں نام کرتے

یہ ارادہ ہو چکا تھا کہ نگاہیں آج اُٹھا دیں
جو حیا اُنہیں نہ روکے تو وہ قتلِ عام کرتے

یہ گھٹا برس سکے واعظ تری جان ہی کو روتی
جو شراب خوار ترکِ مئے لالہ فام کرتے

تمہیں روز لاکے دیں کیا کہ معاملہ ہے دل کا
جو یہ لین دین ہوتا، کہیں قرض وام کرتے

میں یہ اُن سے پوچھ لیتا کہ اب آپ کب ملیں گے
دمِ صبح کاش ہمدم امرے ہوش کام کرتے

نہ ہو بت کدے میں جا کر جو صنم پرست ندرتؔ
تو نمازیانِ کعبہ اُسے پیش امام کرتے

وہی پھر فصلِ گل ہے پھر وہی وحشت کا ساماں ہے
گریباں پرزے پرزے ٹکڑے ٹکڑے جیب بے اماں ہے

مزا راحت کا ملتا ہے نکل کر قیدِ ہستی سے
فشارِ قبر گویا تنگیٔ آغوشِ جاناں ہے

دہن سے شعلے نکلے کرمکِ شب تاب بن بن کر
ہماری آہ بزم افروزِ دامانِ بیاباں ہے

جو ہیں آزاد فطرت پاک ہیں دنیا کی اُلجھن سے
خلش سے خار کی وارستہ دامانِ بیاباں ہے

کسی دن روندنے وہ شہسوارِ حُسن آئے گا
بلندی پر اگر کچھ طالعِ خاکِ شہیداں ہے

عدم کے سونے والے چونک اُٹھے نالوں سے لے ندرتؔ
صدائے صُور کیا وابستہ زنجیرِ زنداں ہے

مری اُن کی لڑائی کیا جب آنکھوں کی لڑائی ہے
اُنہیں ہیں کچھ اشارے ہوں تو پھر باہم صفائی ہے

اُڑاؤ تم ہنسی میری کہ رُلاؤ جس قدر چاہو
مگر اتنا سمجھ لو اس میں کس کی جگ ہنسائی ہے

نظر آئے ہمیں وہ خواب میں پردہ نشیں بن کر
یہ ہے طرزِ حیا یا طرزِ شانِ خود نمائی ہے

کسی سے اُن کی بگڑے وہ مجھی پر قہر توڑیں گے
مری تقدیر میں سارے زمانے کی برائی ہے

اُنہیں ظالم کہا تھا مجھ پہ لے کر نیچہ آئے
یہ کیونکر جور کو اُس شوخ پر ترجیح دیتے ہیں
خدا چاہے تو محفل سے تمہاری یونہی نکلے گی
وہ ایسی سخت جاں کب ہے سہے جو وار قاتل کے

مثل سچ ہے کہ سچی بات میں آدھی لڑائی ہے
کبھی کیا شیخ جی نے خواب میں حضرت ملائی ہے
سواری عنبر کی جس طرح ہاتھوں ہاتھ آئی ہے
بچائے مجھ کو کیا میری قضا کی موت آئی ہے؟

کئی دن سے جو روتے روتے آنکھیں لال کر لی ہیں
خدا معلوم ندرتؔ تیرے دل میں کیا سمائی ہے

پینے والا ہوں وہ ہیں جام تو پھر جام رہے
تھوڑی تھوڑی ہی سے بھر جاتی ہے نیت ساقی!
نام کو بھی نہ کبھی نام ملاقات آیا
دل گیا جان گئی عشق میں رکھتے ہی قدم

خم میں بھی باقی نہ اے ساقیِ گلفام رہے
یہ سلامت مرا ٹوٹا ہی ہوا جام رہے
مدتوں اُن سے مرے نامہ و پیغام رہے
ابتدا یہ ہے تو کیا دیکھئے انجام رہے

کاش ہو جاؤں فنا راہِ وفا میں ندرتؔ!
بے نشانی ہی سے دُنیا میں مرا نام رہے

امانت کو تمہاری یوں خیانت سے بچا لیں گے
جو ہم ثابت قدم ہوں گے کسی کی راہِ اُلفت میں
کہیں گے دیکھ کر دشمن کو ہاں بہرِ ادب اُٹھئے
سراپا حسن کی تصویر ہو اُٹھتی جوانی میں
وہ نازک ہیں مگر پھرتی کریں گے قتلِ عاشق پر

قضا جب جان لینے آئے گی ہم دم چرا لیں گے
تو اپنا نقشِ ہستی نقشِ پا بن کر مٹا لیں گے
نہ اُٹھیں تا کہ وہ ہم پہلے ہی پہلو دبا لیں گے
تمہارے ناز تم کو اور کیا سانچے میں ڈھالیں گے
بلا سے ہاتھ آ ترے آستیں فوراً چڑھا لیں گے

انھیں کیا غم اگر ناآشنا ہیں رسمِ الفت سے
ہمیں نے دوستی کی ہے ہمیں اس کو نبھالیں گے

ہیں ہم بھی میہماں اے سبزۂ خوابیدہ شب بھر کے
چمن سے مثلِ شبنم صبح کو بستر اٹھالیں گے

وہ رکھیں گے ہمیشہ ٹھوکروں میں مجھ کو غیروں کی
مٹوں گا جب لگی ہیں اُن کی ٹھکرا کر جلالیں گے

وہ مشتاقِ ستم ہیں یا یونہی خنجر چلاتے ہیں
ہم اپنے امتحاں میں اُن کو ندرتؔ آزمالیں گے

اُٹھیں گے سینکڑوں فتنے جوانی آپ کی ہوگی
قیامت ہم بھی دیکھیں گے جو اپنی زندگی ہوگی

انھیں محشر میں ہم تو سجدہ کرکے چھوٹ جائیں گے
وہ اُن کے سر رہے گی کچھ اگر نیکی بدی ہوگی

مرے مرنے کی کوئی ماتمی اُن کو خبر دے دے
مرا غم وہ بھی کرلیں گے اگر اُن کی خوشی ہوگی

ہمارے جی میں آتا ہے کہ اُن کے سامنے روئیں
ہنسیں گے وہ یونہی کچھ دیر با ہم دل لگی ہوگی

بتوں کی شامِ تنہائی سے اچھا کام نکلے گا
کہ اک گوشے میں اب ندرتؔ! خدا کی بندگی ہوگی

وہ بات ہماری کوئی چلنے نہیں دیتے
پہلو کہیں مطلب کا نکلنے نہیں دیتے

جس وقت وہ چہرے سے اُٹھا دیتے ہیں پردہ
پھر دیکھنے والوں کو سنبھلنے نہیں دیتے

اے دردِ تو ہی ضعف و نقاہت سے بھلا تھا
یہ تو مجھے پہلو بھی بدلنے نہیں دیتے

اللہ رے شوخی کہ وہ رفتار کے آگے
محشر بھی مقابل ہو تو چلنے نہیں دیتے

ہیں کیسی کشاکش میں ہوں ندرتؔ! دمِ آخر
ارمان مرا دم بھی نکلنے نہیں دیتے

نہ رکھنا دل میں تم ارمان وقتِ امتحاں کوئی
ملے گا پھر نہ مجھ سا مرنے والا میری جاں! کوئی

اِدھر کا رخ کرے شب کو چراغِ آرزو بن کر
سیہ بختی مری کھو دے نصیبِ دشمناں کوئی

جگایا کس لئے فتنے کو تربت میں مری ٹھکرا کر؟
نہ دیکھا راہ میں تم نے کہ سوتا ہے یہاں کوئی

وہ بگڑے ہیں اور کوئی جھوٹی سچی پیروی پر ہو
وہ بولیں اور بلائے جائے اُن کی ہاں میں ہاں کوئی

یہ کیسا خواب دیکھا کاش میں سوتا ہی رہ جاتا
ذرا آنکھیں کھلی ہیں اور نظر سے ہے نہاں کوئی

اگر جاتا ہے چھپ کر سوئے دشمن ہم تو جب جانیں
اُٹھا لے جائے سر پر اپنے قدموں کے نشاں کوئی

وہ خط میں بھیج دیں دو چار باتیں پیار کی لکھ کر
سمجھ لے گا اسی کو نسخۂ دردِ نہاں کوئی

ہمیں بھی آرزو ہے ہم بھی دل رکھتے ہیں او کافر
اِدھر بھی پھینک دے تیرِ نگاہِ دلستاں کوئی

دلِ پر خوں ہے میرا ایک لعلِ بے بہا ندرتؔ
نہیں افسوس بازارِ جہاں میں قدرداں کوئی

خدا دل دے تو پائے لذّتِ دردِ نہاں کوئی
جو آنکھیں ہوں تو دیکھے جلوۂ حسنِ بتاں کوئی

فلک سے پھر ہوئی نازل بلائے ناگہاں کوئی
مبارک خانہ بربادی! پھر اُترا اسماں کوئی

کریں ہم خود بیاں اور وہ نہ سمجھیں اس کی کیا معنی
پہیلی ہے، معمّہ ہے، ہماری داستاں کوئی

فلک ہو، غیر ہو، وہ ہوں ستم میں سب برابر ہیں
کرے پھر کیوں کسی کا پاس ہنگامِ فغاں کوئی

اگر تم روزنِ در سے نہ دیکھو گے "دکھا دوں گا"
نہ نکلے گا اِدھر کو جھانکنے بھی میری جاں کوئی

ہم اُن کے دل کی جانیں، وہ ہمارا مدعا سمجھیں
ہمارے گھر کی باتوں کا بنے کیوں رازداں کوئی

تڑپنے ہی پہ میرے اُٹھ گئے وہ مضطرب ہو کر
مزا جب تھا کہ مجھ کو چھیڑ کر سنتے فغاں کوئی

الٰہی خیر موقع امتحاں کا سخت نازک ہے
اُدھر ہے نازنیں کوئی، اِدھر ہے ناتواں کوئی

صبا بھرتی ہے دامن، عاشق آنکھوں میں لگاتے ہیں
تبرک تو نہیں ہے اُن کی خاکِ آستاں کوئی

شکایت بھی نہ ہوگی، دل بھی دوں گا، جان بھی دوں گا
بتا دو اور اگر باقی ہو شرطِ امتحاں کوئی

کسی نے تذکرہ چھیڑا جو اربابِ محبت کا
تو فرمایا تمہیں کیا اُن سے مطلب ہوں گے ہاں کوئی

مجھے یہ ڈر کہ میری خامشی سب حال کہہ دے گی
اُنہیں یہ ضد کہ میرے آگے کیوں کھولے زباں کوئی

ذرا اے بیخودی ہشیار رہنا دشتِ غربت میں
خدا معلوم مجھ کو یاد آ جائے کہاں کوئی

شکایت ہے مگر فقروں سے ثابت ہے لحاظ اُن کا
مرے منہ میں لئے بیٹھا ہے کیا اُن کی زباں کوئی

سیہ بختی سے وہ بیکس ہوں ندرت! میرے مرنے پر
جو لے کر شمع بھی ڈھونڈھو نہ نکلے نوحہ خواں کوئی

مرے پہلو سے اُٹھ کر غیر کے پہلو میں جا بیٹھے
یہ کیا بیٹھے بٹھائے تم نیا فتنہ اُٹھا بیٹھے

امیری تھی تو ایسی تھی کہ اپنا گھر لٹا بیٹھے
فقیری لی تو ایسی لی کہ تیرے در پہ آ بیٹھے

خدا کی شان ہیں اور یہ کشش میری محبت کی
ترے قربان، تو اور یوں مرے پہلو میں آ بیٹھے

ہمارا گھر کہاں ہے اب تو ہم قدموں میں تیرے ہیں
جہاں دیکھا تمہارا نقشِ پا بستر لگا بیٹھے

جدائی میں کسی کی رات ہم نے اس طرح کاٹی
ذرا تڑپے، ذرا لوٹے، ذرا اُٹھے، ذرا بیٹھے

جگر بھی، دل بھی، اُن کے سامنے ہے اب خدا جانے
کدھر اُن کی نظر اُٹھے، کدھر تیرِ ادا بیٹھے

چھڑائیں ہائے کیونکر جان اپنی اس ستمگر سے
وفا کا قول دے کر ہاتھ پہلے ہی کٹا بیٹھے

مری تیمارداری کیا کریں گے حضرتِ ناصح
مریضِ غم ہوں بالیں پر کوئی درد آشنا بیٹھے

کوئی کس واسطے ہم کو اُٹھائے اُن کی محفل سے
کسی کا کیا بگاڑا ہم جدا آئے، جدا بیٹھے

دو زانو اس طرح بیٹھا ہے ندرتؔ یار کے در پر
مودّب جس طرح کعبہ میں کوئی پارسا بیٹھے

دل مبارک ہو تمہیں مجھ کو پریشانی مری
وہ ہے دیوانہ تمہارا یہ ہے دیوانی مری

لے چلی زنداں سے صحرا کو پریشانی مری
تو بھی آ ہمدم! جو کرنی ہے نگہبانی مری

تیغ سے کچھ پوچھئے کچھ اُن کے دل سے پوچھئے
ایک کیا دو دو پہ بھاری ہے گران جانی مری

یوں بسر کرنے کو پتھر کا کلیجا چاہیئے
خارزارِ عشق اور پھر اُس پہ عریانی مری

ایک جانب خود نمائی ہے اور اُن کا آئینہ
ایک جانب بیخودی ہے اور حیرانی مری

شام سے ہی ہائے وہ ظالم یہ کہہ کر سو گیا
صبح تک بیٹھے کئے جاؤ نگہبانی مری

دیکھتے ہی مجھ کو وہ بھی غیر بھی گھبرا گئے
کیا بھری محفل پہ چھائی ہے پریشانی مری

دیکھتا ہے کس ادا سے آئینہ زینت کے بعد
دیکھنے والے کا منہ تکتی ہے حیرانی مری

اُس ستمگر کی گلی میں لا کے ٹھہرا لا ہے مجھے
ٹھوکریں کھلوائے گی ندرتؔ ان آشنائی مری

کم نہ ہوگی بیکلی اور چاک دامانی مری
عشق ہے عاشق مرا، وحشت ہے دیوانی مری

اے ستم آرا مبارک خانہ ویرانی مری
اتنے آک نے دے کے ہیں ہوں یا پریشانی مری

جب سے سجدہ کر لیا ہے نقشِ پائے یار کو
مہر و مہ کی آنکھ کا تارا ہے پیشانی مری

مرگِ دشمن کا اگر کرنا ہی ہے رنج و ملال
چار دن کو مجھ سے لے لیجیے پریشانی مری

ناتوانی میں وہ اپنے گھر بلا سکتے نہیں
میں تو ہلکا ہوں مگر بھاری ہے مہمانی مری

جب نہ ملنے کا کیا شکوہ کہا "تیرا نصیب"
جب کہا اقرار کیا تھا "بولے نادانی" مری

دیکھئے یہ آپ ہیں یہ آپ کی ہے تصویر
اب ذرا کہئے کہ ہاں صورت ہے لاثانی مری

وہ سونگھاتے ہیں مجھے اس واسطے زلفوں کی بو
بیخودی کم ہو تو بڑھ جائے پریشانی مری

ندرت! اپنے حال پر خود شرم آتی ہے مجھے
یہ بتوں کا عشق اور یہ شکل نورانی مری

نالۂ دل کی صدا دیوار میں ہے در میں ہے
صور یا محشر میں ہوگا یا ہمارے گھر میں ہے

تجھ سے اے قاتل نہیں کچھ میرے خوں کی باز پرس
اب ترے دامن کا دھبہ دامنِ محشر میں ہے

میں پریشاں ہو کے نکلوں گا تو اُن کی بزم سے
میری بربادی کا ساماں ہے تو اُن کے گھر میں ہے

دیکھو دیکھو غیر کو کیسی پلاتے ہو شراب
جیتا جیتا میری حسرت کا لہو ساغر میں ہے

وہ اگر دیکھیں تو اب حالت سنبھلتی ہے مری
وہ اگر پوچھیں تو اب مجھ کو شفا دم بھر میں ہے

دے دے چلّو میں اکٹھی کر کے اے ساقی مجھے
کچھ ابھی تو خم میں ہے شیشے میں ہے ساغر میں ہے

دل سے بہتا ہے لہو یا دِ مژہ کی چھیڑ پر
اس مریضِ ناتواں کی رگ اسی نشتر میں ہے

دین و دنیا کا مزا مر کر ہمیں حاصل ہوا
روح باغِ خلد میں دل کوچۂ دلبر میں ہے

نقدِ جاں لینے کو مقتل میں قضا ندرت! مری
بن کے دولہن رونما آئینۂ خنجر میں ہے

تمہارے حسن کو اور حسنِ یوسف کو بڑا بل ہے
یہ نقشہ نقشِ ثانی ہے وہ نقشہ نقشِ اوّل ہے

خراب آبادِ عشق اے ہمنشیں بستی نہیں کوئی
جنوں انگیز ویرانہ ہے وحشت خیز جنگل ہے

یہ کیا انصاف ہے غیروں کو بھر بھر کر ملیں ساغر
مرے حصّے میں اے ساقی فقط بوتل ہی بوتل ہے

اب اُن کی شوخیاں کم ہیں ادائیں ہیں ترقی پر
لڑکپن آخر آخر ہے جوانی اوّل اوّل ہے

ہماری بے سروسامانیاں سامانِ وحشت ہیں
ہمیں جنگل کی کیا پروا ہمارے گھر میں جنگل ہے

لگا ہے دھوم سے دیوانگانِ عشق کا میلا
بہار آئی ہوئی ہے آج کل جنگل میں منگل ہے

دہن ہے گو مگو میں اُن کی خاموشی سے اے ندرتؔ
ابھی وہ منہ سے بول اُٹھیں ابھی یہ مسئلہ حل ہے

زباں پہ میری چھالے ہیں، دل پر سوز بیکل ہے
یہ خاموشی کا ثمرہ ہے یہ ضبطِ عشق کا پھل ہے

ہمیشہ اُن کے وعدے ہیں، ہمیشہ آج ہے کل ہے
بڑی مدت ہوئی لیکن ابھی تک روزِ اوّل ہے

فلک تھا جان کا خواہاں، زمیں ہے نعش کی دشمن
مریضِ دردِ فرقت کو نہ جب کل تھی نہ اب کل ہے

یہاں بھی چل رہی ہیں بیدھڑک چھریاں نگاہوں کی
ارے کافر خدا سے ڈر یہ محشر ہے کہ مقتل ہے

حواسِ خمسہ کہتے ہیں جنہیں میخوار اے واعظ
صراحی ہے، سبو ہے، خم ہے، پیمانہ ہے، بوتل ہے

تمہارا وعدۂ فردا بہانہ موت کا ہو گا
سمجھ لو آج۔ میری زندگی کا فیصلہ کل ہے

گلا کاٹا ہے لاکھوں حسرتوں کا یاس نے ندرتؔ!
ہمارا دل کبھی دل تھا مگر اب تو یہ مقتل ہے

تمہارا در ہمیشہ جلوہ گاہِ عام رہتا ہے
مگر جو خاص بندہ ہے وہی ناکام رہتا ہے

وہ کیا جانے تڑپنے ہی سے جس کو کام رہتا ہے
کہاں تسکین رہتی ہے کہاں آرام رہتا ہے

دلوں سے محو اے ساقی غمِ ایام رہتا ہے
تری محفل میں جتنی دیر دورِ جام رہتا ہے

غضب کی کشمکش ہے آج کیا انجام رہتا ہے؟
خدا ہی جانے ہم رہتے ہیں اب یا دام رہتا ہے

فنا کے بعد بھی رسوائیوں کا ہے وہی عالم
مری تربت پہ بھی اب تک ہجومِ عام رہتا ہے

تمھیں زیبا نہیں ضد ایک محرومِ تمنا سے
وہ اپنی جان دے دیتا ہے جو ناکام رہتا ہے

بس اتنا ہی تو بل ہے قتل کرنے قتل ہونے میں
کسی کی بات رہتی ہے کسی کا نام رہتا ہے

بری ہوتی ہیں ان پیاسوں کی بھی ترسی ہوئی نظریں
کہ خود ساقی کو بھی خوفِ شکستِ جام رہتا ہے

تصور میں جسے آتا ہو تم سے گفتگو کرنا
وہ کب محتاجِ رسمِ نامہ و پیغام رہتا ہے

جو دے دے جان اُلفت میں جو مٹ جائے محبت میں
اُسی کی زندگانی ہے۔ اُسی کا نام رہتا ہے

محبت میں تو دل ہوتا ہے رسوائے جہاں ندرتؔ!
مگر پھر نام دل والے کا کیوں بدنام رہتا ہے

کاوشِ غم کا مزا زائل نہ ہونا چاہیئے
جب بھر آئے زخمِ دل نشتر چبھونا چاہیئے

یا تڑپنا چاہیئے، یا ہم کو رونا چاہیئے
کچھ تو جی بہلے شبِ غم، کچھ تو ہونا چاہیئے

کاٹ کر میرا گلا قاتل کو رونا چاہیئے
اس بہانے سے لہو کا داغ دھونا چاہیئے

دل لگا کر پہلے غم کا بیج بونا چاہیئے
آبیاری کے لئے پھر خون رونا چاہیئے

اپنی محفل میں وہ غیروں کو جہاں چاہیں بٹھائیں
ہم الگ بیٹھیں گے ہم کو ایک کونا چاہیئے

مٹ گئیں لاکھوں تمنائیں ہزاروں حسرتیں
سوگ کس کس کا کریں کس کس کو رونا چاہیئے

یا قضا آئے الٰہی یا وصالِ یار ہو
جو مری تقدیر میں ہونا ہے ہونا چاہیئے

عشق میں اندر ہی اندر کیوں گھٹے غم کا بخار
آگ جب دل میں لگے جی بھر کے رونا چاہیے

اُن کے قدموں کے نشاں ہوں اور میرا جسمِ زار
ناتواں ہوں مجھ کو پھولوں کا بچھونا چاہیے

جب سہارے کے لئے امید بھی غم میں ہو
یاس کا بچھونا اور میں بیڑا اٹھونا چاہیے

آ گئے تربت میں اے ندرتؔ مٹے دنیا کے غم
آج کچھ فرصت ملی ہے آج سونا چاہیے

دل نہ ہوگا دل کی تاثیرِ فغاں رہ جائے گی
داستاں گو چل بسے گا داستاں رہ جائے گی

تجھ سے ٹکرا کر جو آہِ ناتواں رہ جائے گی
یوں بھی تیری بات ہی اے آسماں رہ جائے گی

کہتے کہتے کہنے والے کی زباں رہ جائے گی
ختم ہو جائے گا قصہ داستاں رہ جائے گی

میں سمجھتا تھا کہ واماندہ نظر کے سامنے
کارواں کے بعد گردِ کارواں رہ جائے گی

پہلے زخموں پر نمک چھڑکو سنو پھر حالِ دل
ورنہ اس صورت میں پھیکی داستاں رہ جائے گی

ہو چکے تنکے فراہم جب مخالف ہے ہوا
دل کی دل میں آرزوئے آشیاں رہ جائے گی

دے کے تم اپنی محبت کرتے ہو تاکیدِ ضبط
کیا یہ چنگاری مرے دل میں نہاں رہ جائے گی

ضبط کی حد سے گزرنا ہے محال اے جوشِ غم
میرے دل سے تا بلب آ کر فغاں رہ جائے گی

زندگیِ عشق میں ندرتؔ نہ دے گا کوئی ساتھ
اک برائے نام جانِ ناتواں رہ جائے گی

آپ کو تکلیف ہوگی کھینچنے میں تیر کے
لائیے خود دل میں رکھ لیں اس کو ہم دل چیر کے

تم نے اپنے ہاتھ سے باندھا ہے یوں مجبور ہیں
ورنہ ہم کیا اپنے بس پابند ہیں زنجیر کے

سخت جانوں پر نہیں چلتی تو اس کا کیا قصور
ہاتھ دھو کر تم تو پیچھے پڑ گئے شمشیر کے

چھپ رہے ہیں اشکِ خوں آنکھوں میں آخر کچھ تو ہے
ان میں یا ٹکڑے ہیں دل کے یا تمہارے تیر کے

یاس کیا، امید کیا، غم کیا، خوشی کیا، عشق میں
شعبدے ہیں آسماں کے کھیل ہیں تقدیر کے

دو طرف دو خون کے قطرے سے تھے وہ بہہ گئے
ہاتھ اب ملتا ہے قاتل میرا سینہ چیر کے

زخمِ غم کے دیکھنے کو دل تو وہ پیدا کریں
ہم تو اُن کے سامنے رکھ دیں کلیجا چیر کے

چارہ گر نے مجھ کو باندھا تھا سمجھ کر ناتواں
میں ذرا اترایا تو ٹکڑے بھی نہ تھے زنجیر کے

تم نے ندرتؔ! حضرتِ ناصح کی تدبیریں سنیں؟
یہ بنانے والے ہیں بگڑی ہوئی تقدیر کے

اُٹھاتا ہے جسے تو وہ تری محفل سے اُٹھتا ہے
مگر اُس اُٹھنے والے کا قدم مشکل سے اُٹھتا ہے

کہوں کیا رات کو کیوں درد میرے دل سے اُٹھتا ہے
یہ محشر روز تیرے وعدۂ باطل سے اُٹھتا ہے

نکل جاتا ہے جل بجھ کر جنازہ ایک حسرت کا
تڑپ اُٹھتا ہوں میں جب کوئی شعلہ دل سے اُٹھتا ہے

اُسی ساحل کی جانب رُخ ہے میری کشتیِ دل کا
ڈبونے کے لئے طوفان جس ساحل سے اُٹھتا ہے

ہجومِ آرزو میں دل سے یوں آہیں نکلتی ہیں
دھواں جیسے غبارِ جادۂ منزل سے اُٹھتا ہے

گرا دیتے ہو تم اپنی نظر سے جس کو محفل میں
سہارا دردِ دل کا لے کے وہ محفل سے اُٹھتا ہے

کسی دن چارہ گر کی آنکھ پہ پٹی نہیں بندھتی
مگر جس روز پھاہا میرے زخمِ دل سے اُٹھتا ہے

جلاتا ہے جسے رشکِ رقابت تیری محفل میں
وہ دودِ شمع بن کر خود تری محفل سے اُٹھتا ہے

پھپھولے کی طرح دل بیٹھ جاتا ہے محبت میں
یہ بارِ ضبطِ غم بھی ہائے کس مشکل سے اُٹھتا ہے

گزر ایک چلنے والے کا ہوا تھا راہِ الفت میں
دھواں اب تک غبارِ جادۂ منزل سے اُٹھتا ہے

نظیر اپنا دکھانا چاہتے ہیں کب زمانے کو
اب آتے ہیں وہ خود اب آئینہ محفل سے اُٹھتا ہے

دمِ آخر ہے، دنیا رو رہی ہے میری بالیں پر
یہ عالم دیکھ کر اس وقت تو کس دل سے اُٹھتا ہے

سبکدوشی تو بارِ سر سے ہو سکتی ہے مقتل میں
مگر خنجر بھی اے ندرتؔ کفِ قاتل سے اُٹھتا ہے

ہمیشہ کے لئے تہ کر کے غم کی داستاں رکھ دی
ہلے تھے لب کہ اُس نے کاٹ کر میری زباں رکھ دی

ملا کر خاک میں بیوجہ شانِ امتحاں رکھ دی
کسی پر کیوں اُٹھائی تم نے، کیوں تیغِ رواں رکھ دی

مرے سینے میں خاکِ دل سے۔ دودِ آہ سے غم نے
نئی اک اور بنیادِ زمین و آسماں رکھ دی

ہمارا دل اگر قدموں میں ہے تو تم سے کیا شکوہ
تمہاری چیز تھی تم نے جہاں چاہا وہاں رکھ دی

چمن میں جا کے میرا آشیاں صیاد نے پھونکا
قفس میں لا کے پھر تھوڑی سی خاکِ آشیاں رکھ دی

بہائے پہلے آنسو ہم نے دامن دیکھ کر اُن کا
جب آنسو رک گئے دامن پہ چشمِ خونفشاں رکھ دی

ہزاروں آرزوئیں دل میں بھر دیں بھرنے والے نے
مزا یہ ہے کہ پھر گنجائشِ دردِ نہاں رکھ دی

بتا اب اے گدازِ غم کہاں سے لاؤں نادک کو
وہ کہتے ہیں امانت آپ نے میری کہاں رکھ دی

تجھی تک یہ ستم بھی ہیں، مجھے تم قتل کر ڈالو
دکھا دوں گا کہ تم نے سینت کر تیغِ رواں رکھ دی

تری محفل میں دل کو چھوڑ کر اُٹھیں تو کیا اُٹھیں
جہاں دل رکھ دیا ہم نے وہیں تابِ تواں رکھ دی

تمہیں اب خوف کیا محشر میں میری دادخواہی کا
کہ میں نے پہلے گردن سے تہِ خنجر زباں رکھ دی

ترا نقشِ قدم میں نے یہاں دیکھا وہاں دیکھا
ترے کوچے میں پیشانی یہاں رکھ دی وہاں رکھ دی

چھپایا خوب میرے خون کو نادان قاتل نے
کہ خود دامن سے اپنے پونچھ کر تیغ رواں رکھ دی

لگی رہتی ہے تصویر آپ کی ہر وقت سینے سے
جہاں خلوت میں باتوں کا ملا موقع وہاں رکھ دی

زباں خنجر ہی اس کی بن گیا آخر قیامت میں
یہاں خنجر سے تم نے کاٹ کر جس کی زباں رکھ دی

کچھ اپنی بے قراری سے کچھ اپنی آہ و زاری سے
ہلا کر ہم نے بنیاد زمین و آسماں رکھ دی

جناب خضر نے بھی جان دے دی راہ الفت میں
اٹھا کر طاق نسیاں پر حیات جاوداں رکھ دی

خموشی سے بھی میری وہ تڑپ جاتے ہیں اے ندرت
خموشی میں بھی شاید غم نے تاثیر فغاں رکھ دی

ہم تیرے ہی قدموں میں فنا ہو کے رہیں گے
تیرا ہی نشان کف پا ہو کے رہیں گے

پہلو سے شب وصل جدا ہو کے رہیں گے
میں جان رہا ہوں وہ خفا ہو کے رہیں گے

بیدرد ترے دل پہ اثر ہو کے رہے گا
نالے مرے اک روز رسا ہو کے رہیں گے

ہم گر گئے آنسو کی طرح ان کی نظر سے
سمجھے تھے کہ آنکھوں میں حیا ہو کے رہیں گے

کیا آپ بھی دنیا میں نباہیں گے کسی سے؟
کیا آپ بھی پابند وفا ہو کے رہیں گے

کچھ چیز نہیں ہستی موہوم ہماری
دنیا میں رہیں گے بھی تو کیا ہو کے رہیں گے

صیاد نہ چھوڑے گا تو مر جائیں گے گھٹ کر
ہم کو بھی ہے ضد ہم بھی رہا ہو کے رہیں گے

ہم جان بھی دے دیں گے اسے دل جس کو دیا ہے
دو فرض محبت کے ادا ہو کے رہیں گے

شرمائے ہوئے آئیں گے وہ دل میں ہمارے
آئینہ میں تصویر حیا ہو کے رہیں گے

چھوڑیں گی نہ نظرو تجھے شرمیلی نگاہیں
یہ تیر ترے تیر قضا ہو کے رہیں گے

چھپتا ہے چھپائے سے کہیں حسنِ جہاں تاب
سو پردوں سے وہ جلوہ نما ہو کے رہیں گے

ندرتؔ! مجھے معلوم ہے پلٹیں گے مجھی پہ
نالے مرے دشمن کی دعا ہو کے رہیں گے

میرے گھر آپ اگر غیر کے گھر سے آئے
مجھ پہ احسان نہیں آہ کے ڈر سے آئے

بو مجھے جلنے کی جب زخمِ جگر سے آئے
پھر لہو خاک مرے دیدۂ تر سے آئے

اِس طرح صبح کو بیٹھا ہے شبِ غم کا مریض
جیسے پھر کر کوئی اللہ کے گھر سے آئے

اہلِ دل اُس کو بڑا حوصلے والا سمجھیں
اُٹھ کے زندہ جو تری راہ گذر سے آئے

اُن سے اُمیدِ رہ و رسم کی اب کیا رکھیں
نہ اِدھر سے کوئی جائے نہ اُدھر سے آئے

آہ سے پہلے الٰہی یہ دعا کرتا ہوں
کامیاب آہ مری بابِ اثر سے آئے

لکھ دیا ہے ستم ایجاد نے اپنے در پر
جو یہاں آئے کفن باندھ کے سر سے آئے

ہم سے پابندیِ آدابِ وفا کچھ نہ ہوئی
کیوں قیامت میں بھی اُٹھ کر ترے در سے آئے

دل کے ہر گوشے پہ ہے یاس کا پہرا ندرتؔ!
یاد بھی اُن کی اب آئے تو کدھر سے آئے

سامنے اُن کے جو دو آنسو ہمارے بہہ گئے
ہم اُنہیں دو آنسوؤں میں اُن سے سب کچھ کہہ گئے

ایک دل پر جو زمانے بھر کے صدمے سہہ گئے
آفریں اُن غم نصیبوں کو، کہ زندہ رہ گئے

تیر بھی اے شورشِ غم خون ہو کر بہہ گئے
ہائے پھر زخموں کے منہ خالی کے خالی رہ گئے

سامنے آ کر خدا معلوم وہ کیا کہہ گئے
آج اُن کے مرنے والے مرتے مرتے رہ گئے

لگ گئی دل سے زباں تک آگ ہی اے ہمنشیں
داستانِ سوزِ غم کہنے کو تو ہم کہہ گئے

آپ ہی ناآشنا ہیں خامشی کے راز سے
ہم سے پوچھیں آپ تو ہم یوں بھی سب کچھ کہہ گئے

منزلِ مقصود پہ پہنچا ہمارا کارواں
ہم غبارِ کارواں کی طرح پیچھے رہ گئے

تم کو اک بیکس کے رونے کی خبر کچھ بھی نہیں
دیکھنے والے تو کہتے ہیں کہ دریا بہہ گئے

جانے کیا گزرے گماں اے اضطرابِ شوق نہیں
بدحواسی میں خدا معلوم ہم کیا کہہ گئے

مٹ گئیں وہ حسرتیں جو تھیں شریکِ زندگی
یاس کے عالم میں جینے کو ہمیں ہم رہ گئے

کان دھرنا تو کجا تم نے توجہ بھی نہ کی
بزم میں سب کہنے والے اپنی اپنی کہہ گئے

اس طرح کر دیتے ہیں نالے قیامت بھی بپا
ہم تمہیں یہ بھی دکھا دیں گے جو زندہ رہ گئے

فصلِ گل میں جب کوئی جھونکا ہوا کا آگیا
سب اسیرانِ قفس ندرتؔ تڑپ کر رہ گئے

پی کر کسی کی بزم میں بے ہوش ہو گئے
آنسو ہی ہم کو بادۂ سرجوش ہو گئے

ہم آ رہے ہیں دیکھ کے اک مستِ ناز کو
دنیا یہ کہہ رہی ہے کہ مےنوش ہو گئے

پہلے تو ہم نے اُن سے کیا عرضِ مدعا
پھر اُن کے سامنے ہمہ تن گوش ہو گئے

نظریں جما کے دیکھیں گے ہم آپ کا جمال
وہ حضرتِ کلیم ہی بے ہوش ہو گئے

پہلے تو میرا حال سنا اہلِ حشر نے
پھر اُن کی شکل دیکھ کے خاموش ہو گئے

ہم جان دے چکے انہیں وہ قتل کر چکے
اچھا ہوا کہ دونو سبکدوش ہو گئے

اے محتسب یہ میری ہی توبہ کا سوگ ہے
بادل بھی فصلِ گل میں سیہ پوش ہو گئے

اب جوشِ آرزو دلِ مایوس میں کہاں
وہ خواب وہ خیال فراموش ہو گئے

ہم نے بڑے مزے سے گذاری شبِ فراق
ہم روتے روتے شام سے بے ہوش ہو گئے

آنسو مرے کسی نے نہ پونچھے جہان میں
آخر کو خشک دیدۂ پُر جوش ہو گئے

پہلو ستم کے سوچتے رہتے ہیں رات دن
اللہ کس قدر وہ جفا کوش ہو گئے

ندرتؔ ابھار آئی ہے بے خوف سیجئے
رحمت کے بادل اب تو خطا پوش ہو گئے

آیا پیامِ مرگ تو ذی ہوش ہو گئے
لو وحشیانِ عشق کفن پوش ہو گئے

پہلے تو خوب کی دلِ گم گشتہ کی تلاش
پھر صبر آگیا ہمیں، خاموش ہو گئے

کیا میری سرگزشت میں لذت نہ تھی کوئی
افسانہ سُن کے آپ تو خاموش ہو گئے

دل لے گئے چُرا کے غم اس کا نہیں ہمیں
اُن کا ملال ہے کہ وہ روپوش ہو گئے

دی ہم نے اُن کو جان تو احسان کیا رہا
وہ بھی تو کاندھا دے کے سبکدوش ہو گئے

ہم شب کو خواب میں رہے محوِ جمالِ دوست
جب صبح آنکھ کھل گئی بے ہوش ہو گئے

آخر کو بات بڑھ گئی اے اضطرابِ دل
آمادۂ فغاں لبِ خاموش ہو گئے

ندرتؔ سنا کسی نے نہ دُنیا میں اپنا حال
پچھتا کے اب ہم آپ ہی خاموش ہو گئے

کسی صورت نہ ہونے دی شبِ غم کی سحر میں نے
سیاہی جب گھٹی، پھیلا دیا دودِ جگر میں نے

بنایا ہائے جن آنکھوں کو اُن کی رہگذر میں نے
بہایا اب اُنہیں سے خونِ دل، خونِ جگر میں نے

لیا اُن کی پشیمانی سے کچھ ایسا اثر میں نے
اُنہیں جب حشر میں دیکھا پھرا لی خود نظر میں نے

کسی صورت حجاب اُٹھنے نہ پایا اُس کی آنکھوں کا
جہاں اُس نے نقاب اُلٹی وہیں ڈالی نظر میں نے

یہ تم نے کیا کیا آنسو بہائے میری میت پر
چھپایا تھا تمہارے رازِ غم کو عمر بھر میں نے

کسی کی بزم میں پہنچا تصور کے ذریعہ سے
الگ رکھی زمانے بھر سے اپنی رہ گزر میں نے

بڑھایا یوں تمہارے درد کی لذت کو خنجر سے
کیے اک دل کے سو دل اک جگر کے سو جگر میں نے

مرقع بن گیا خود ٹوٹنے والی آرزوؤں کا
دلِ ناکام کی ہستی پہ ڈالی تھی نظر میں نے

ذرا ہم بھی تو دیکھیں دل سے جاتے ہیں کدھر اُٹھ کر
بھگوئے ہیں لہو میں سب نئے تیروں کے پر میں نے

نہ اُٹھتا چونک کر کیوں سونے والا میرے پہلو سے
کلیجا ہل گیا دیکھے جو آثارِ سحر میں نے

کسی کی بزم کو اک یاس کی دنیا بنا دینا
کہا تھا تجھ سے کب اے نالۂ وحشت اثر میں نے

قفس بھی تنگ تھا کچھ ناتوانی بھی بڑھی میری
ہوا میں قید جس دن سے نہ کھولے بال و پر میں نے

عزیز ایسے تھے ندرت لٹنے والے دل کے ذرے بھی
کہ آنکھوں سے لگا لی اُن کی خاکِ رہ گزر میں نے

اُٹھایا کب کسی کے سامنے زانو سے سر میں نے
بہت پوشیدہ رکھی ہے محبت کی نظر میں نے

چھپا رکھا ہے سینے میں اِدھر میں نے، اُدھر میں نے
تمہارے درد کو سمجھا ہے دل میں نے جگر میں نے

کسی کے درد کی چوٹیں سہی تھیں رات بھر میں نے
تھکن ایسی چڑھی دم دے دیا وقتِ سحر میں نے

مرتب یوں کیا سوزِ محبت کا اثر میں نے
کہ پہلے دل کو پھونکا پھر جلا ڈالا جگر میں نے

وہ خنجر کھینچ کر آئے تھے لیکن وائے ناکامی
اُنہیں رحم آ گیا جب رکھ دیا قدموں پہ سر میں نے

دمِ نظارہ بے ہوشی بھی مطلب سے نہ تھی خالی
مجھے جو اُن کی محفل کی طرف جاتا نظر آیا
کسی نے حال پوچھا تھا تڑپ کر جان ہی دیدی
شبِ فرقت بھی اک شکل تھی اُن کے بلانے کی
ملے تھے وہ کبھی اس کا نتیجہ ہے یہ تنہائی

جو رکھا بھی تو غش کھا کر تِرے قدموں پہ سر میں نے
اُسی کے پیچھے پابوسانہ دوڑائی نظر میں نے
کیا یوں داستانِ دردِ دل کو مختصر میں نے
اُڑا دی شام سے ہی اپنے مرنے کی خبر میں نے
ہنسا تھا ایک دن آنسو بہائے عمر بھر میں نے

کسی نے خاکِ رہ سمجھا کسی نے نقشِ پا ندرتؔ!
جو یُوں کی بھی تو کیا کی اُن کے کوچے میں گذر میں نے

کمی میرے تڑپنے میں تو کیا زیرِ زمیں ہوتی
جگہ ہم غم نصیبوں کی بھی دُنیا میں کہیں ہوتی
اگر پردے سے باہر وہ نگاہِ شرمگیں ہوتی
جو وحشت میں مجھے اِتنی سمجھ اے ہمنشیں ہوتی
جگہ کی کیا کمی تھی اُن کو آتے تو ذرا دل میں
ہمیں یکساں ہے اپنا غمکدہ کیا اُن کی محفل کیا
مریضِ غم کی مایوسی بھی ہے تخفیف کا باعث
ازل میں سہل تھا تقدیرِ حسن و عشق کا خاکہ
ادائیں بھی تمنائیں بھی اُن کی دل میں رہتی ہیں
فلک کی گردشوں نے آبلے تلووں میں ڈالے ہیں

مرا لاشہ کہیں ہوتا مری تربت کہیں ہوتی
نہ ہوتا آسماں جس پر کوئی ایسی زمیں ہوتی
جو دُنیا اب ہے بالائے زمیں زیرِ زمیں ہوتی
تو پھر اِس ہاتھ کی اُس ہاتھ میں کیوں آستیں ہوتی
تڑپ کر دل سے خود باہر مری جانِ حزیں ہوتی
یہاں بیٹھا نہیں جاتا وہاں پُرسش نہیں ہوتی
کہ درد اُٹھتا ہے لیکن اب وہ بے چینی نہیں ہوتی
تمہارا نقشِ پا ہوتا مری لوحِ جبیں ہوتی
یہ حُسن و عشق کی منزل کبھی سُونی نہیں ہوتی
مرے بدلے فلک کے خون کی پیاسی زمیں ہوتی

وہ سُن سُن کر ہماری بات فوراً بھول جاتے ہیں
اب اُن سے گفتگو ہوتی ہے یُوں جیسے نہیں ہوتی

خدا جانے یہ دنیا بیچ میں کیوں لپس گئی آکر
نہ ہوتا اور کوئی آسماں ہوتا، زمیں ہوتی

نکلتے بھی ہم اُس محفل سے اے ندرتؔ تو کیا ہوتا
وہیں قلبِ حزیں ہوتا، وہیں جانِ حزیں ہوتی

اثر سے ہم بغل اُس وقت آہِ آتشیں ہوتی
ذرا نیچا فلک ہوتا ذرا اونچی زمیں ہوتی

نصیحت گر کی کوئی بات کیونکر دلنشیں ہوتی
کہ ہم سے غمزدوں کے دل میں گنجائش نہیں ہوتی

جو حسرت قیس کی لیلےٰ کے دل میں جاگزیں ہوتی
نہ ہوتی عمر بھر محمل نشیں صحرا نشیں ہوتی

یہ آنسو خاک میں تونے ملائے اے دلِ وحشی
اگر ان کے لئے دامن نہ ہوتا آستیں ہوتی

پھر اُن کا مرنے والا ہی نہ ہوتا کوئی دُنیا میں
قضا بھی کاش میرے ساتھ پیوندِ زمیں ہوتی

کہاں تک کوئی چکّر کھائے گردابِ محبّت میں
یہ اچّھا تھا کہ ڈانواں ڈول کشتی تہ نشیں ہوتی

ضروری تو نہ تھے برگشتہ بختوں کے لئے دو دو
فلک ہوتا، فلک ہوتا، زمیں ہوتی، زمیں ہوتی

وہ اب شاید مریضِ غم کی حالت پوچھنے آئیں
یہ سنتے ہیں کہ اب تو بات بھی منہ سے نہیں ہوتی

جو یہ آنکھیں ذرا آئینہ پر بھی پڑ گئیں ہوتیں
خدا معلوم کیا کچھ یہ نگاہِ شرمگیں ہوتی

وہ تربت ہی مٹا دیتے گرانبارِ محبّت کی
نہ ہوتا کچھ تو اس کے بوجھ سے ہلکی زمیں ہوتی

نہ رکھّا رفتہ رفتہ کچھ بھی باقی کاہشِ غم نے
ہماری لاش ندرتؔ! خاک پیوندِ زمیں ہوتی

قفس میں دُھن ہے عبث ہم کو آشیانے کی
اب اِس زمانے میں کیا یاد اُس زمانے کی

جو ضبطِ غم ہو تو حاجت نہیں سنانے کی
کہ خامشی میں بھی لذت ہے اک فسانے کی

تلاش چاہیئے کچھ اُن کے آستانے کی
یہ بات دل نے کہی ہے ذرا ٹھکانے کی

جہاں کسی نے بنا ڈالی آشیانے کی
فلک کو فکر ہوئی بجلیاں گرانے کی

بہت وسیع ہے میرے خیال کی دُنیا
کہ اس میں سیکڑوں راہیں ہیں تیرے آنے کی

بہار میں نہ سلامت رہا کوئی دامن
ہوا کچھ ایسی چلی دھجّیاں اُڑانے کی

دیا ہے درد تو دینا مجھے تسلی بھی
کہ اس کے ساتھ ضرورت ہے دل بڑھانے کی

لہو بہا ہی گئے وہ مری تمنّا کا
قصور وار تھی دل سے زباں تک آنے کی

مریضِ ہجر نے یُوں دم دیا سحر ہوتے
کہ آس ٹوٹ گئی تھی کسی کے آنے کی

ہجومِ حشر پہ چھایا سماں اُداسی کا
گھڑی اب آگئی شاید مرے فسانے کی

گیا شباب تو اُس کی ہوس عزیز رہی
کہ یادگار تھی گزرے ہوئے زمانے کی

کسی نے جان بھی لے لی مگر نہ تڑپے ہم
بس انتہا ہے یہاں دردِ دل چھپانے کی

لہو ہوا ابھی تو دل کا وجود ہی کیا ہے
مجھے اُمید نہیں آنسوؤں میں آنے کی

گدازِ غم سے مرے تنگ ہیں سلاسل بھی
ضرورت اب نہ رہی زور آزمانے کی

وہ آج آئے اور آتے ہی چل دیئے ندرت
بس اِتنی دیر کو تھی دھوم آنے کی

تصور میں اگر وہ زینتِ آغوش ہوتا ہے
تو کیا ہم ہوش میں ہوتے ہیں ہم کو ہوش ہوتا ہے

کہیں زاہد بھی مستِ بادۂ سرجوش ہوتا ہے
خدا دیتا ہے جس کو ظرف وہ مینوش ہوتا ہے

کوئی فرقت میں میرا پوچھنے والا نہیں ہوتا
چراغِ شامِ غم ہوتا ہے تو خاموش ہوتا ہے

نہیں ہر کوئی لذت آشنائے خود فراموشی
وہی بے ہوش ہوتا ہے جسے کچھ ہوش ہوتا ہے

سنے دل تھام کر جب کوئی نالے غم نصیبوں کے
جب آدھی رات کو سارا جہاں خاموش ہوتا ہے

یہی جی چاہتا ہے اس حیا پہ صدقے ہو جائیں
ہمارا نالہ عاشق کر وہ جب خاموش ہوتا ہے

کبھی آہیں نہیں رکتیں کبھی آنسو نہیں تھمتے
یہ غم کی آگ ہوتی ہے یہ غم کا جوش ہوتا ہے

نہیں کچھ بلبلوں پر حصر گلچیں کی خبر سن کر
چمن کا غنچہ غنچہ خوف سے خاموش ہوتا ہے

جگر بھی ناوکِ دلدوز میں کھنچ کر چلا آیا
ارے سفاک دیکھا خون کا یہ جوش ہوتا ہے

خدا معلوم کیا لذت ہے ضبطِ رازِ الفت میں
کہ جو اس کا دھنی ہوتا ہے وہ خاموش ہوتا ہے

وہ مستِ ناز پابندِ حیا ہوتا تو کیوں ہوتا
حیا ہوتی ہے اُس کو جس کو اپنا ہوش ہوتا ہے

اُٹھائیے بارِ احسانِ نصیحت کون اے ناصح
جنونِ عشق میں سر بھی وبالِ دوش ہوتا ہے

نگاہِ مستِ ساقی میں عجب تاثیر ہے ندرت!
کہ جس پر پڑ گئی وہ بے پیئے بے ہوش ہوتا ہے

جوانی کا نشہ بھی ہائے کیا پر جوش ہوتا ہے
کہ ہوش آتا ہے انساں کو مگر بے ہوش ہوتا ہے

کسی کی بزم میں یہ بیخودی کا جوش ہوتا ہے
کہ اس کو ہوش آتا ہے تو وہ بے ہوش ہوتا ہے

مجھے چلو میں دی اتنا نہ سوچا تو نے اے ساقی
کہ جو مے نوش ہوتا ہے وہ دریا نوش ہوتا ہے

جو دامن چاک رہتا تھا اُسے تربت میں رکھتے ہیں
چلو منہ دیکھ لو تم بھی کہ وہ روپوش ہوتا ہے

تصور سے ترے باتیں کیا کرتا ہے خلوت میں
بظاہر چاہنے والا ترا خاموش ہوتا ہے

خدا کی شان غنچے بھی گریباں پھاڑ لیتے ہیں
ہوائے فصلِ گل میں کیا جنوں کا جوش ہوتا ہے

کوئی دیکھے تو یہ سمجھے بڑا ہمدرد ہے ظالم
ہمارا حالِ دل سُن کر وہ جب خاموش ہوتا ہے

کسی کو پوچھنا ہو حال تو اب پُوچھ لے آ کر
مریضِ غم ہمیشہ کے لئے خاموش ہوتا ہے

اِسی اُمید میں سنتے رہے ہم سیکڑوں باتیں
ہم اب اُس سے کہیں گے کچھ، وہ اب خاموش ہوتا ہے

جو مستِ بادۂ اُلفت ہے اے ندرت وہ کیا جانے
کہ ہوش آنا کسے کہتے ہیں کیسا ہوش ہوتا ہے

اوّل تو دل کو لذّتِ دردِ نہاں ملے
پھر اُس کے بعد زندگیٔ جاوداں ملے

تم کیا ملے، جو راہ میں یوں میری جاں ملے
مجھ سے وہیں نگاہ چُرا لی جہاں ملے

دیر و حرم کے بدلے وہ دل میں نہاں ملے
اُن کی تلاش ہم نے کہاں کی۔ کہاں ملے

کچھ بے قراریوں ہی میں ہے لطفِ زندگی
کیا چاہئے اُسے جسے دردِ نہاں ملے

نفرت ہے کس کو شرکتِ بزمِ رقیب سے
سو بار ہم تو جائیں وہاں تو جہاں ملے

پھر اپنی گردشوں کا تماشا دکھائیں ہم
ہم کو اگر زمیں کی جگہ آسماں ملے

محشر میں کیا ملی جو ملی ضبطِ غم کی داد
ہم کو جزا ملے تو یہاں کی یہاں ملے

اظہارِ غم پہ کاٹ چکے آپ تو زباں
اب داد کے لئے مجھے میری زباں ملے

نظریں ہیں میری محوِ تماشائے دو جہاں
دو آنکھیں کیا ملیں مجھے دونو جہاں ملے

رونے کے واسطے مجھے، آہوں کے واسطے
روز اک نئی زمین، نیا آسماں ملے

شوخی سے تم تو مل کے کہیں کے کہیں گئے
میں رہ گیا وہیں کا وہیں تم جہاں ملے

ہم چھوٹ کر قفس سے چمن کو چلے تو ہیں
شاید ہی آشیاں کی جگہ آشیاں ملے

ندرتؔ! یہ ضبطِ غم کا تقاضا ہے عشق میں
پہلو میں جس کے دل ہو اُسے کیوں زباں ملے

کچھ خستگانِ عشق کو دادِ فغاں ملے
اللہ جل کے خاک میں یہ آسماں ملے

ممکن نہیں کہ جور سے ہم کو اماں ملے
زیرِ زمیں بھی جائیں تو اک آسماں ملے

دل کا قرار، آنکھوں کی ٹھنڈک، جگر کا چین
سب کچھ ملا اُسے جسے داغِ نہاں ملے

اُس فتنہ گر کے دیکھنے والے ہوئے ہیں دفن
جھک کر ذرا زمیں سے اب آسماں ملے

آفت ہے کوئے غیر میں ہر نقشِ پا تیرا
اِس سرزمیں پہ ہم کو ہزار آسماں ملے

دامن تک آپ کے نہ رسائی ہوئی نصیب
سب یونہی خاک میں مرے اشکِ رواں ملے

دونوں کی سیر دور سے دیکھیں ستم نصیب
ایسا ہی آسماں کو بھی اک آسماں ملے

پھینکے جسے نصیب تری جلوہ گاہ سے
اُس کو زمانے بھر میں ٹھکانا کہاں ملے

ہم خوگرِ ستم تھے تو سب لے گئے ستم
دشمن بھی ہم کو جتنے ملے مہرباں ملے

ہر ذرّے کو میں دیکھ رہا ہوں بچشمِ غور
شاید کہ تیری راہ میں دل کا نشاں ملے

دو چار دن کے غم کا تو ندرتؔ! مزا نہیں
غم بھی اگر ملے تو غمِ جاوداں ملے

تنگ ہے دیوانگی اک ناتواں دل کے لئے
چاہیئے ہوتا کبھی کچھ طوق و سلاسل کے لئے

امتحانِ ناوک اندازیِ قاتل کے لئے
اک جگر بھی چاہیئے فولاد کا دل کے لئے

تیرا مرہم کیا ہے، داغِ زخمِ غم اے چارہ گر
تیرا پھاہا کیا ہے، دھبّہ دامنِ دل کے لئے

سو سلام ایسی شہادت کو کہ میں بن جاؤں داغ
تیغِ قاتل کے لئے دامانِ قاتل کے لئے

قید کیا شے ہو کہ ہے ہستی ہی میری کالعدم
عقدۂ مشکل ہوں میں طوق و سلاسل کے لئے

ہنسنے والے تھے بہت شب کو مگر اب وقتِ صبح
رونے والا بھی ہے کوئی شمعِ محفل کے لئے؟

سر کے بل گھر بیٹھے پہنچوں گا حریمِ دوست میں
ہے مرا چاک گریباں جادۂ منزل کے لئے

کر لیا روشن فلک نے نام اپنا مفت میں
نقشِ پا اُن کے لئے ٹکڑے مرے دل کے لئے

قید بھی مجھ کو کیا اُس نے تو اپنے ہاتھ سے
اور مضبوطی ہوئی طوق و سلاسل کے لئے

سر بھی اک دیوانہ کا ہے نقشِ پائے ناقہ پہ
اور پھر آنکھیں بھی وا ہیں گردِ محمل کے لئے

چشمِ ظاہر بیں تو بے شک ہو گئی مرعوبِ حسن
کیجئے کچھ انتظام اب دیدۂ دل کے لئے

پھر مری جانب سے ہیں اصرار کی تیّاریاں
پھر وہ دل مضبوط کر لیں عہدِ باطل کے لئے

میرے پہلو میں اگر گنجائش اے ندرت نہیں
میری آنکھوں میں جگہ ہے خوں شدہ دل کے لئے

چارہ گر! تجھ کو امیدِ زیست ہے دل کے لئے
کوئی دارو ہی نہیں اس وہمِ باطل کے لئے

میں بھی کہتا ہوں کہ تم شمعِ شبستاں ہو مگر
اپنی محفل کے لئے دشمن کی محفل کے لئے

یہ ادا بھی تیری ظاہر داریوں کی ہے دلیل
ہاتھ دل پر رکھ دیا تسکینِ باطل کے لئے

خونِ حسرت کا کہ خونِ دل افسانہ کہوں
آپ اب کیا چاہتے ہیں رنگِ محفل کے لئے

خون بھی رو لے، پٹک لے سر بھی، کر لے آہ بھی
اتنی آزادی ہے پابندِ سلاسل کے لئے

بھیجدوں اے بادِ طوفاں تو ہیں تیرے ہی ہاتھ
اک سلامِ آخری یارانِ ساحل کے لئے

جذبۂ وحشت میں بھی اللہ رے پاسِ احترام
طوق کو چوما قدم میں نے سلاسل کے لئے

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو دل کو اپنی بزم میں
یہ تو نا کافی جگہ ہے رقصِ بسمل کے لئے

مجھ کو اے طوفانِ بحرِ غم تلاطم ہی میں رکھ
مضطرب تم کے لئے ہوں میں ساحل کے لئے

آڑ لی جوشِ جنوں کی اک اسیری دوست نے
پاؤں پھیلائے سلیقہ سے سلاسل کے لئے

ہاتھ خالی جاتے ہو دنیا سے ندرتؔ اخیر ہے
چاہیئے توشہ بھی کچھ عقبیٰ کی منزل کے لئے

قبر تک پہنچا کے چھوڑا گردشِ تقدیر نے
دم لیا منزل پہ جاکر عشق کے رہگیر نے

اِک اسیرِ غم نے لی کروٹ کچھ اس انداز سے
آہ کی منہ کھول کر ہر حلقۂ زنجیر نے

اب وہی لذت دہانِ زخم کی تنگی میں ہے
جو کبھی چٹکی میں پائی تھی تمہارے تیر نے

حسن کی گرمی سے آخر دل کے ٹکڑے اڑ گئے
دل کو آئینہ بنایا تھا تری تصویر نے

ایسی کچھ راحت ملی بن کر کسی کا نقشِ پا
حشر تک کروٹ نہ بدلی عاشقِ دلگیر نے

بیٹھ جاتا ہے دلِ مایوس اب ہر سانس پر
کر دیا اتنا نحیف اک آہ بے تاثیر نے

تم ہو نو آموز کیا جانو لگانا تیر کا
کر لیا خود دل کی جانب رخ تمہارے تیر نے

مجھ سے خود دیکھا نہیں جاتا ہے اپنے دل کا حال
اُن کا دیدہ دیکھئے بیٹھے ہیں وہ دل چیر نے

غم کی جیتی جاگتی تصویر میرے نام سے
کھینچ دی لوحِ جہاں پر کاتبِ تقدیر نے

ساری دنیا کو ہنسایا نامرادی پہ مری
آنکھ سے باہر نکل کر اشک بے تاثیر نے

اُس نے خط بھیجا ہے لکھ کر میرے دل کے خون سے
کر دیا ثابت یہ رنگ آمیزی تحریر نے

کیا دعائیں بھی نہ دے تم کو دہانِ زخمِ دل
آخر اس کو کیوں زباں دی ہے تمہارے تیر نے

ندرتؔ! اُٹھئے سونے والے آپ خوابِ ناز سے
رات کو دن کر دیا ہے نالۂ شبگیر نے

یہ تصور آپ کا یہ خود فراموشی مری
ہوش سے بھی بڑھ گئی اس وقت بے ہوشی مری

کون ہے ہمدرد میرا، کون ہو پرسانِ حال
ہے وہی دنیا وہی محشر میں خاموشی مری

مجھ کو بے منت ملے گا زندگی بھر خونِ دل
جام و مینا کی نہیں محتاج مینوشی مری

کیا اسی کا نام ہے اے ضبطِ غم اخفائے راز؟
ہو گئی ضرب المثل دنیا میں خاموشی مری

دشتِ غربت میں کفن کا دینے والا کون تھا
خاک کے ذرّوں نے کی مل جل کے تن پوشی مری

چشمۂ کوثر پہ پہنچا کر رہی آخر طلب
میرے کام آئی قیامت میں بھی مینوشی مری

میرے دل پر آسماں سے گر رہی ہیں بجلیاں
ایسے نالوں سے کہیں بہتر تھی خاموشی مری

بارِ غم آخر نہ اٹھا مجھ سے دے دی ہیں نے جاں
ہے دلیلِ شرم بعد مرگ روپوشی مری

جب خیال آیا تمہارا ہو گیا محوِ سکوت
ہے تمہاری یاد گویا مہرِ خاموشی مری

تیغ کا ہو وار تو گردن سے اُترے بارِ سر
اب تو تیرے ہاتھ ہے ظالم! سبکدوشی مری

مجھ کو ندرتؔ! خاک ہوتا اپنی ہستی کا یقیں
تھی مری خلقت میں شامل خود فراموشی مری

پھر اٹھا دینا ابھی تم اپنی محفل سے مجھے
مل تو لینے دو ذرا بچھڑے ہوئے دل سے مجھے

ہوش ہی اتنا کہاں تھا حیرت دل سے مجھے
کیا کہوں کس نے نکالا کس کی محفل سے مجھے

رعب روکے گا اگر دربار قاتل کے قریب
خود پکارے گی اجل دربارِ قاتل سے مجھے

تیر پھینکا ہے تو کر لو آہ کی بھی روک تھام
ضبط اب دشوار ہے ٹوٹے ہوئے دل سے مجھے

خط میں لکھ کر حالِ سوزِ غم چھڑک دوں خاک بھی
کام لینا چاہیئے خاکسترِ دل سے مجھے

قابلِ تعظیم ہے ہر ذرّہ بزمِ یار کا
پاؤں رکھنے کو جگہ ملتی ہے مشکل سے مجھے

اب یہ محشر خیز منظر کر گیا آنکھوں میں گھر
اب اُٹھا لے یا خدا دنیا کی محفل سے مجھے

کچھ مری فریاد کا ڈر کچھ قیامت کا ہے خوف
کوستے ہیں وہ مگر سہمے ہوئے دل سے مجھے

یک بیک دنیا سے کیونکر اُٹھتے ہیں حسرت نصیب
یہ ہوا معلوم اُٹھ کر تیری محفل سے مجھے

چاہتا ہوں داد اپنے گریۂ خاموش کی
دُور محفل میں نہ رکھو شمعِ محفل سے مجھے

یہ بھی اے ندرت نہیں کچھ کم تسلّی کے لئے
پوچھ لیتے ہیں کبھی وہ اوپری دل سے مجھے

کل کسی پہلو نہیں بیتابیِ دل سے مجھے
باز رکھ محفل میں تو آدابِ محفل سے مجھے

رنج کی بھی حس نہیں مایوسیِ دل سے مجھے
یعنی اب رونا بھی آتا ہے تو مشکل سے مجھے

وہ اُٹھائیں گے بھلا کیا اپنی محفل سے مجھے
ہوں نحیف اتنا کہ دیکھیں گے بھی مشکل سے مجھے

دیکھتا ہوں میں کہ تم ہر آنکھ میں ہر دل میں ہو
اب رقابت ہو گئی ہر آنکھ ہر دل سے مجھے

ہو گئی یوں قید ہو کر میرے نالوں میں کمی
مل گئی ہے کچھ مدد شورِ سلاسل سے مجھے

پھر تو کچھ مشکل نہیں ترکِ جفا ترکِ وفا
مشورہ درکار ہے دل سے تمہیں دل سے مجھے

میری رسوائی کا ساماں بن کے تم آہی گئے
آخر اُٹھنا ہی پڑا دشمن کی محفل سے مجھے

میری بیتابی نے پہنچایا مجھے منزل کے پاس
میری ناکامی نے پھینکا دُور منزل سے مجھے

حشر میں بھی کچھ نشاں پاتا ہوں جسم زار پر
ہائے کس ظالم نے جکڑا تھا سلاسل سے مجھے

دُوں دعا کس دل سے تیرے ناوکِ دلدوز کو
کر دیا محروم ساری عمر کو دل سے مجھے

چارہ سازوں نے یہ اے ندرتؔ کیا اچھا علاج
اور وحشت ہو گئی شورِ سلاسل سے مجھے

اُن کے سنگِ در پہ ہے شوقِ جبیں سائی مجھے
نقشِ سجدہ ہو نہ جائے داغِ رسوائی مجھے

صدقے اُن کی یاد کے فرقت میں یاد آئی مجھے
وصل کا ہے وصل تنہائی کی تنہائی مجھے

یونہی تیری آرزو دنیا سے میں لے جاؤں گا
جس طرح دنیا میں تیری آرزو لائی مجھے

دل میں درد آنکھوں میں آنسو رخ پہ زردی لب پہ آہ
مل گیا ہے خود یہ سب سامان رسوائی مجھے

دن چھپے کی موت، اُف کس بیکسی کی موت تھی
صبح تک رویا چراغِ شام تنہائی مجھے

میں نے بھی آج اُن سے اظہارِ تمنا کر دیا
روز کتنے تھے تمنائی تمنائی مجھے

آپ کیا آتا کہ مجھ میں دم ہی اے قاتل نہ تھا
تیرے کوچے تک سہارے سے قضا لائی مجھے

وہ اگر پہلو سے نکلیں دم بھی نکلے ساتھ ساتھ
یوں ہو تنہائی تو پھر پوری ہو تنہائی مجھے

جان دی ہے جس پہ وہ آیا ہے ماتم کے لئے
کھل گئی تقدیر ندرتؔ! موت راس آئی مجھے

دل میں باندھا تھا جسے ناکامیٔ تقدیر نے
وہ طلسمِ آرزو توڑا تمہارے تیر نے

کر دیا مجبور گھٹ کر آہِ بے تاثیر نے
لے کے خنجر آج خود بیٹھا ہوں میں دل چیرنے

میری ساری آرزوؤں کا لہو کام آگیا
صرف اک سرخی لکھی تھی کاتبِ تقدیر نے

رکھ کے زانو پر تری تصویر میں روتا رہا
رات بھر پونچھے مرے آنسو تری تصویر نے

روزِ محشر پیش ہوں گے سو شہادت کے گواہ
دل کے سو ٹکڑے کئے ہیں آپ کی شمشیر نے

خود ہی جب دامن نہ سنبھلا تجھ سے اے مستِ خرام
پھر خطا کیا کی کسی کی خاکِ دامنگیر نے

دل میں گنجائش ہجومِ ناامیدی سے نہ تھی
کچھ زبردستی جگہ لی ہے تمہارے تیر نے

ایک دل سی بے حقیقت شے اور اس کا یہ نصیب
کر لیا ہے گھر تمہارے حسنِ عالمگیر نے

تیر اُن کا گو نہیں دل میں مگر لذت تو ہے
اک خلش کر دی ہے پیدا آرزوئے تیر نے

لے ہی آئی مجھ کو زنداں میں سلاسل کی کشش
وحشت میں روکا بہت ہر خارِ دامنگیر نے

سینے سے ندرت! اوڑا لیا دلِ بیتاب کو
لے لیا سو درد کا اک درد اُن کے تیر نے

سو تصور کھینچ ڈالے، کیسی تنہائی مجھے
بند کی جب آنکھ اک دنیا نظر آئی مجھے

یہ شرف بخشا سمجھ کر اس نے سودائی مجھے
طوق پہنایا مجھے۔ زنجیر پہنائی مجھے

آج اک صورت تصور میں نظر آئی مجھے
دے گئی دھوکہ کسی کی شانِ یکتائی مجھے

کون کہتا ہے کہ دنیا تک ہیں دنیا کے رفیق
حشر میں خود لے کے اٹھی میری رسوائی مجھے

بند ہیں زنداں کے در لیکن بہار آنے تو دو
لے اڑے گی خود ہوائے دشت پیمائی مجھے

میں ہی کیا ہوں مرنے والے سیکڑوں آباد ہیں
خاک کے نیچے بھی اک دنیا نظر آئی مجھے

ہے غشی میں غیر حالت لیکن اتنی ہے سمجھ
بے خبر رکھتا ہے مجھ سے دردِ تنہائی مجھے

دل میں گھر کر لو تمنا بن کے تم اک مرتبہ
پھر کہو سو مرتبہ اپنا تمنّائی مجھے

کھل گیا دستِ جنوں سے رازِ الفت کا بھرم
ہو گیا چاک گریباں طوقِ رسوائی مجھے

ہاتھ دل پر رکھ دیا تو لے لیا اِک سانس بھی
آپ نے بخشی ہے اِتنی بھی توانائی مجھے

یاس نے گل کر دیا اُن کے تصور کا چراغ
ہو گئی تاریک اب دنیائے تنہائی مجھے

کاش وہ بھی تھام لیں دل مجھ کو مضطر دیکھ کر
کاش ہو جائے مبارک ناشکیبائی مجھے

پُر اثر ہوتے ہیں ندرت! کس قدر جذباتِ عشق
کر گئی خود مست میری نغمہ پیرائی مجھے

نہ پوچھا کبھی تم نے اِک جاں بلب سے
کہ ہے موت کی آرزو تجھ کو کب سے

جو واقف ہیں ضبطِ محبت کے ڈھب سے
وہ رکھتے ہیں مطلب زباں سے نہ لب سے

اٹھاتے ہو کیوں اپنی بزمِ طرب سے
کہ میں آپ ہی دُور بیٹھا ہوں سب سے

ارے چھپنے والے کہاں جا رہا ہے؟
لپیٹے ہوئے منہ کو دامانِ شب سے

نہ ہوگی اگر مے تو آنسو پئیں گے
کہ مے نوش مجبور ٹھہرے طلب سے

نکلتا ہے خورشیدِ صبحِ قیامت
لرزتا ہوا میری فرقت کی شب سے

نہ آیا زباں پر کبھی حرفِ مطلب
ترے رعب سے تیرے پاسِ ادب سے

مزا کھو دیا دیکھ کر محتسب نے
لگایا ہی تھا جام ابھی میں نے لب سے

ترا شکوہ روزِ جزا ہم کریں گے؟
ارے بدگماں! ڈر خدا کے غضب سے

تم اس راز کو مسکرا کر نہ پوچھو
کہ روتے ہیں ہم رات دن کس سبب سے

زباں میری ظالم نے کاٹی یہ کہہ کر
کریں اب شکایت مری آپ سب سے

بڑے دکھ اُٹھائے محبت میں ندرت!
کسی بے وفا کو نہ چاہیں گے اب سے

سکونِ قلب عاشق کی نئی تدبیر نکلی ہے
سنا ہے آج اُن کے میان سے شمشیر نکلی ہے

شکایت کیا اگر فریاد بے تاثیر نکلی ہے
کہ ہر تدبیر میری تابع تقدیر نکلی ہے

ہماری جان اے قاتل تہِ شمشیر نکلی ہے
یہ خواب زندگی عشق کی تعبیر نکلی ہے

مرے شوق شہادت کی عجب تاثیر نکلی ہے
تڑپ کر میان سے قاتل کی خود شمشیر نکلی ہے

نظر ڈالی ہے صورت خانۂ عالم پہ جب میں نے
تمہارے حسن کا آئینہ ہر تصویر نکلی ہے

ہماری ناتوانی ہو گئی باعث رہائی کا
کشادہ ہو کے اب خود پاؤں سے زنجیر نکلی ہے

بہت نازک کے دم دے گا ترا جانباز لے قاتل
کہ ساری عمر کی حسرت تہِ شمشیر نکلی ہے

تمنا جس کی تھی دُنیا میں دیکھا اُس کو محشر میں
کہاں کے خواب کی جا کر کہاں تعبیر نکلی ہے

مرے بعد آج محفل میں آتے نہیں یہ کیا خیال آیا
کہ میرا ذکر نکلا ہے مری تصویر نکلی ہے

کسی سے کیا کہوں افسانہ اپنی نامرادی کا
مری ہر آرزو اک خواب بے تعبیر نکلی ہے

دکھا دی یاس نے مجھ کو انتہا مشق تصور کی
کہ دل کے پردے پردے پر تیری تصویر نکلی ہے

خیال ضبط الفت کھل کے رونے بھی نہیں دیتا
اسیروں کی فغاں بھی بستۂ زنجیر نکلی ہے

ہزاروں دیکھنے والوں کے دل برباد کیے تم نے
تمہاری جو ادا نکلی ہے بن کر تیر نکلی ہے

یہ کس نے آج پائی ہے سزا جرم محبت کی
یہ کس کی نعش اے قاتل پئے تشہیر نکلی ہے

کہاں تک چھپکے اب دامن بچائے گا کوئی ندرت!
حیا کے ساتھ میری خاکِ دامنگیر نکلی ہے

خاموش بیکسی میں ہے کیا اپنے بس کوئی
فریاد جب کرے کہ ہو فریاد رس کوئی

خواہان داد ہیں نہ مراد اور رس کوئی
کرتا ہے میرے قتل میں کیوں پیش و پس کوئی

آتی ہے دھیمی دھیمی صدا دل سے آہ کی
باقی ہے اور سانس ابھی اے ہمنفس کوئی

کھودے نہ ضبط غم کہیں آزار کا مزا
ایسا نہ ہو کہ جور سے کرجائے بس کوئی

اُمیدوار رُوئے چمن ہیں بہاریں
موقع ہے اب کہ کھول دے بابِ قفس کوئی

عاشق ہیں تیرے سب مگر اتنا ہے امتیاز
ہے ان میں جاں نثار کوئی بوالہوس کوئی

آئی خزاں چمن میں تو پھر آشیاں کہاں
کیوں چاروں کو جمع کرے خار و خس کوئی

چلتا ہے اب عدم کی طرف کاروانِ دل
سمجھے صدائے آہ کو بانگِ جرس کوئی

ہیں نامراد، مر نہیں سکتے ستم نصیب
اچھی طرح نکال لے دل کی ہوس کوئی

آمادۂ فغاں ہیں اسیرانِ خستہ دل
ایسا نہ ہو کہ پھونک کے رکھ دے قفس کوئی

دستِ دعا اُٹھا کے بھی کیوں کھوئے اپنی بات
رکھتا نہیں اثر ہی پہ جب دسترس کوئی

کب تک رہے گی زیست کے جھٹکوں میں جانِ زار
کب تک سہے کشاکشِ دامِ نفس کوئی

ہجراں نصیب ہوں مجھے ندرت کہاں نصیب
ہمدم کوئی، انیس کوئی، ہمنفس کوئی

چھوڑتا ہے کیوں دمِ آخر ہجومِ غم مجھے
حشر کے دن بھی بچھانی ہے صفِ ماتم مجھے

کر دیا دے دے کے غم لذّت شناسِ غم مجھے
خوش رہو تم تم نے رکھا عمر بھر خورم مجھے

دردِ دل سے ہے توقّع زندگی کی کم مجھے
یہ تسلّی دینے والے دے رہے ہیں دم مجھے

میرے مرگِ بیکسی پر خاک اُڑائی وحشت نے
ہے لحد پہ ہر بگولا حلقۂ ماتم مجھے

حالِ دل اُن کے تصوّر سے کہا کرتا ہوں میں
حسبِ منشا مل گیا ہے رازدارِ غم مجھے

بعد مرنے کے جو ملتی ہے وہ جنّت ہے یہی
کوئے قاتل سے لئے جاتے ہیں کیوں ہمدم مجھے

سامنے اُن کے نہ کر اشکوں سے یوں دھندلی نظر
فرصتِ نظارہ دے اے گریۂ پیہم مجھے

یا زمیں ہو جائے شق، یا آسماں سر پہ گرے
عشق میں درکار ہے اک پردہ پوشِ غم مجھے

مٹنے والی حسرتوں کا ہر جگہ آیا خیال
میں جہاں بیٹھا وہیں کرنا پڑا ماتم مجھے

اتفاقاً شوق لے آیا تھا ساحل کے قریب
لے گئی پھر کھینچ کر موجِ محیطِ غم مجھے

دل سلامت ہے تو ندرت ہوں گے بے منّت نصیب
سیکڑوں صدمے، ہزاروں رنج، لاکھوں غم مجھے

دیکھنا ملتے ہیں کتنے داغ اے ہمدم مجھے
لکھنے والا لکھ چکا ہے مایۂ دارِ غم مجھے

دے گئی تھی کیا مبارک شغلِ شامِ غم مجھے
حسرتوں کا صبح تک کرنا پڑا ماتم مجھے

پہلے دیتی تھی مزا کچھ کاوشِ پیہم مجھے
اب تو جزوِ دل نظر آتا ہے تیرِ غم مجھے

تا کجا تابِ تماشا اے ہجومِ غم مجھے
دل کا ہر گوشہ نظر آتا ہے اک عالم مجھے

دل کی بیتابی ہے ظاہر میری اک اک بات سے
تو نے رسوا کر دیا اے اضطرابِ غم مجھے

کامیابی عشق میں سامانِ شادی مرگ تھی
زندہ رکھا تو نے اے ناکامی پیہم مجھے

یہ تلوّن ہے کہ نیرنگِ طلسمِ حسن ہے
ہر ادا تیری دکھاتی ہے نیا عالم مجھے

غور کرنا چاہتا ہوں عشق کے انجام پر
اے ہجومِ شوق تو دیتا ہے فرصت کم مجھے

کشتیِ نازک مری ڈوبے نہ ٹکرا کر کہیں
دُور رکھ ساحل سے اے طوفانِ بحرِ غم مجھے

پھوٹ کر روئیں گے میرے ڈوب جانے پر حباب
حلقۂ گرداب ہو گا حلقۂ ماتم مجھے

ہے کبھی شامِ مصیبت ہے کبھی صبحِ فراق
محوِ حیرت رکھتی ہے نیرنگیِ عالم مجھے

خود فراموشی میں دل سے محو ہو جاتا ہے غم
ہے کسی کی یاد گویا دوسرا عالم مجھے

کھلتے ہی آنکھیں دکھایا میرے بختِ خفتہ نے
اک جہانِ بیکسی اک یاس کا عالم مجھے

ضعف کا کیا فکر ندرت! راہِ وحشت عشق میں
اضطرابِ شوق خود لینے نہ دے گا دم مجھے

غم کب اپنی ناشکیبائی کا ہے
مجھ کو رونا تیری رسوائی کا ہے

شوق تم کو محفل آرائی کا ہے
یہ تو اک سامان رسوائی کا ہے

جس کو تم کہتے ہو اپنا نقشِ پا
داغ میری جبہ فرسائی کا ہے

دل مرا تربت میں کیا گھبرائے گا
ایک گوشہ وہ بھی تنہائی کا ہے

آپ کیوں روتے ہیں میری نعش پر
آپ کو دعویٰ مسیحائی کا ہے

گھر میں وحشت سے گھٹا جاتا ہے دم
اب ارادہ دشت پیمائی کا ہے

ذرّے ذرّے میں ہے تصویر آپ کی
کیا اسی پہ زعم یکتائی کا ہے

بوئے گل سے بھی اُڑا جاتا ہے دل
یہ دماغ اب تیرے سودائی کا ہے
روک لے اے ضبط تیر آہ کو
شیشہ نازک چرخ مینائی کا ہے
بزم ماتم میں مری تن کر نہ بیٹھ
یہ کوئی موقع خود آرائی کا ہے
تم سمجھتے ہو جسے اپنا نقاب
آئینہ چشم تماشائی کا ہے
خار صحرا پائیں یوں نشو و نما
فیض میری آبلہ پائی کا ہے
وہ ہیں پردے میں تو ہیں خلوت میں ہوں
خوف اپنی اپنی رسوائی کا ہے
کہتے ہیں، مجھ کو اُٹھا کر بزم سے
تو تو عادی کنج تنہائی کا ہے
کر دیا دل کو تمنا پر نثار
یہ جگر تیرے تمنائی کا ہے
بن گئے وہ رونق بزم جمال
کیا طریقہ محفل آرائی کا ہے
شام سے ہے مجھ کو صبح غم کی فکر
صبح سے غم شام تنہائی کا ہے
حشر میں یوں سینہ چاک آنا مرا
پیش خیمہ اُن کی رسوائی کا ہے

ندرتؔ! آتا ہے مرے دل میں کوئی
امتحاں صبر و شکیبائی کا ہے

مجھ پہ جو مشکل پڑی ہے ہو گی وہ آسان بھی
جس طرح نکلا ہے دل نکلے گی اک دن جان بھی
مسکرا کر لے رہے ہیں مجھ سے دل بھی جان بھی
اس عنایت کا جتاتے جاتے ہیں احسان بھی
یوں مری گردن پہ گھبرا کر نہ پھیر اُلٹی چھری
خون ناحق کے لئے درکار ہیں اوسان بھی
اُس نگاہِ ناز پہ درکار اشارہ چاہئے
ایک دل کا ذکر کیا ہے ہم تو دے دیں جان بھی

جب ہوئی تھی جان زندانِ عناصر میں اسیر
ہو گئے تھے تنگنائے دل میں قید ارمان بھی

تجربہ اتنا ہوا مجھ کو اُمیّد و یاس سے
زندگانی عشق میں مشکل بھی ہے آسان بھی

ہم نے سوچا تھا کریں گے دل کے جانے کا گلا
اُن کی صورت دیکھ کر جاتے رہے اوسان بھی

اے فلک تجھ کو ہماری نامرادی کی قسم
عشق میں پورا نہ ہونے پائے ایک ارمان بھی

پھینک کر ناوک نہ دیکھا اپنے بسمل کی طرف
تم نے آنکھیں کیا چُرائیں کھو دیا احسان بھی

جان اکیلی کیا کرے گی رہ کے پہلو میں مرے
دل اگر تم نے لیا ہے لیتے جاؤ جان بھی

ندرتؔ آئے گا تری محفل میں دل تھامے ہوئے
دردمندِ عشق کی کچھ چاہیئے پہچان بھی

یہ ادائے شرم، یہ پردہ تحیّر خیز ہے
رہکے آنکھوں میں نگاہوں سے اُنہیں پرہیز ہے

دیکھتے ہیں وہ مجھے لیکن نظر خونریز ہے
ہائے یہ کیسا کرم ہے جو ستم آمیز ہے

قتل کا انداز اے قاتل تحیّر خیز ہے
مجھ کو کیا معلوم خنجر کند ہے یا تیز ہے

اب مجھے بھی دیکھنا ہے مٹکے کوئے غیر میں
خاک سے میری کہاں تک آپ کو پرہیز ہے

جانتے ہیں وہ کہ مجھ کو تابِ نظّارہ نہیں
وعدۂ دیدار اُن کا مصلحت آمیز ہے

چارہ گر ہمیں زخمِ دل کا آپ کر لوں گا علاج
میرا ناخن تیرے نشتر سے زیادہ تیز ہے

کون روئے میری تربت پر چڑھائے کون پھول
شمع ہی اب نوحہ خواں ہے شمع ہی گلریز ہے

صبر کر لے دردِ دل اے موجِ نفس جنبش نہ دے
ساغرِ دل حسرتوں کے خون سے لبریز ہے

ہو چکا اے چارہ گر دردِ محبّت کا علاج
تو دوا دے گا، دوا ہی سے مجھے پرہیز ہے

رفتہ رفتہ سوزِ پنہاں اپنی حد سے بڑھ گیا
زخمِ دل رکھتے ہی پھاہا بند کر لیتے ہیں منہ

اب تو اک اک سانس بھی میرا اثر انگیز ہے
ان کو مرہم سے ترے اے چارہ گر پرہیز ہے

تجھ کو اے ندرت اجازت مل چکی فریاد کی
جلوہ گاہِ یار کا منظر تحیر خیز ہے

یہ دورنگی حسنِ یکتا کی تعجب خیز ہے
ہر نفس جانکاہ ہے، ہر آہ درد انگیز ہے
تم ادھر دیکھو نگاہِ ناز اگر خوں ریز ہے
آج ہی روشن ہوا ہے میری تربت پر چراغ
اہلِ محشر اب ذرا سی دیر کو دل تھام لیں
مسکرائے دیتے ہیں بے ساختہ زخمِ جگر
تربت میں تو سنا دی اُن کے آنے کی خبر
دل مرا کیا لٹ گیا دنیا ہی ساری لٹ گئی

آنکھ اُن کی روح پرور ہے نظر خونریز ہے
زندگی بیمارِ فرقت کی تعجب خیز ہے
میں بھی تو دیکھوں کہ یہ تلوار کتنی تیز ہے
آج ہی گورِ غریباں کی ہوا بھی تیز ہے
دردمند عشق کا افسانہ درد انگیز ہے
موسمِ گل کی ہوا بھی کیا مسرت خیز ہے
یہ تو اے قاصد دروغِ مصلحت آمیز ہے
اب مجھے سارا جہاں صحرائے وحشت خیز ہے

ہو گیا بشاش ندرت! نزع میں چہرہ مرا
موت کی امید بھی کیسی مسرت خیز ہے

قدموں میں تیرے بندہ ترا سر نہادہ ہے
وہ کینہ دوست دست بشمشیر نہادہ ہے
پردہ نظر سے ہے تو تصور میں آؤ تم

نشہ مئے نیاز کا حد سے زیادہ ہے
میں بھی سمجھ گیا ہوں جو اُس کا ارادہ ہے
آنکھیں ہیں میری شاہدِ دل کشادہ ہے

کٹتی ہے راہ منزلِ تسلیم سر کے بل
رہرو کے واسطے خمِ شمشیر جادہ ہے

معنی شناس حرفِ تسلّی ہوا نہ ہو
وہ دل جو دردِ عشق کا تعلیم دادہ ہے

کیسی سکوں فزا ہے زمینِ رہِ وفا
ہر دل مثالِ نقشِ کفِ پا فتادہ ہے

تسکین کیا ہو وعدے سے جب تک نہ ہو وفا
یعنی عمل عمل ہے، ارادہ ارادہ ہے

شاید بہار آئی کھلا بابِ میکدہ
ندرتؔ! ہوا میں آج تو کچھ بوئے بادہ ہے

راحت کہیں نصیب مجھے جیتے جی نہ تھی
تھا زندگی کا نام مگر زندگی نہ تھی

اُلفت میں کامیاب اگر زندگی نہ تھی
اِک غم نصیب کے لئے کیا موت بھی نہ تھی

کیا ہم نے اپنے لب شبِ غم آہ کی نہ تھی
یوں جو کہو کہ دم ہی نہ تھا جان ہی نہ تھی

احساس آشنا جو مری زندگی نہ تھی
غم، غم اگر نہ تھا تو خوشی بھی خوشی نہ تھی

کچھ بڑھ گئیں تھیں دل کی ہی ایذا پسندیاں
اُن کی طرف سے جور و جفا میں کمی نہ تھی

یارائے ضبط ہی نہ رہا اُن کے سامنے
اظہارِ غم کی ورنہ مجھے کچھ خوشی نہ تھی

جو مر گیا ہو اُس کی تمنّا کا ذکر کیا
یہ بحث اب فضول ہے تھی تھی۔ نہ تھی نہ تھی

خنجر کو رکھ کے میان میں بیٹھے ہیں مطمئن
جیسے ہمارا قتل کوئی بات ہی نہ تھی

تھا ناگوارِ بارِ خرد جوششِ عشق کو
منت پذیرِ ہوش مری زندگی نہ تھی

یہ بھی ہے واقعہ کہ جگر ہو گیا دو نیم
یہ بھی ہے سچ کہ اُن کی نظر تھی چھری نہ تھی

سننے کے بعد یہ تو بتا دیجئے ذرا
لذت بھی کچھ کسی کے فسانے میں تھی نہ تھی

اے شیخ میں نے جیسی پلائی ہے تجھ کو آج
ایسی تو خواب میں بھی کبھی تو نے پی نہ تھی

آئے نہ تھے بہارِ چمن بن کے جب تک آپ
گل خندہ زن نہ تھا متبسّم کلی نہ تھی

بیمارِ غم کے جسم میں تھا کیا شبِ فراق
صرف ایک نبض وہ بھی کبھی تھی کبھی نہ تھی

تم دل میں رہ کے کر گئے محروم دل مجھے
کیا دوستی کے پردے میں یہ دشمنی نہ تھی

پیری کا کسل جوشِ جوانی سے ہے دوچند
جتنا مجھے خمار ہے اتنی تو پی نہ تھی

اللہ بخشے آدمی ندرت بھی خوب تھا
تھے اُس میں لاکھ عیب مگر اک خودی نہ تھی

آپ کی حسرت کو رکھا ہم نے پنہاں آپ سے
لیجئے یوں بھی نبھا دی تا بامکاں آپ سے

ہو گئی اک اک آرزو دست و گریباں آپ سے
آپ سے سمجھیں گے ہم محشر میں ہاں ہاں آپ سے

دامنِ رنگیں نہ پر داغِ آستیں کا ہوش ہے
کیا چھپے گا حشر میں خونِ شہیداں آپ سے

آپ سمجھے بھی کہ تھے جنبش میں لب کیوں وقتِ نزع
کہہ رہا تھا کچھ مریضِ دردِ ہجراں آپ سے

بے شک اے دستِ جنوں تیری خطا کچھ بھی نہیں
آ پڑا ہے پھٹ کے دامن پر گریباں آپ سے

آپ سچے ہی سہی لیکن کچھ ایسی بات ہے
مطمئن ہوتا نہیں دل لے کے پیماں آپ سے

خوگرِ بیداد دل، جانِ حزیں ایذا پسند
موت آئی ہے؟ کرم کا ہوں جو خواہاں آپ سے

لطفِ بیتابی اُٹھاتا ہوں تو کچھ احسان ہے
میں نے دل دیکر لیا ہے دردِ پنہاں آپ سے

آپ ہی کے سامنے روتا رہوں گا عمر بھر
جانتا ہوں میں فرو ہو گا یہ طوفاں آپ سے

اک حیا پرور نظر، ہاں اک تبسّم زیرِ لب
مانگتا ہوں میں دوائے زخمِ پنہاں آپ سے

آپ وہ دل ہی نہیں رکھتے جسے آئے یقیں
میری پامالی کا اور ایسا مکمل اہتمام

کیا کہوں میں قصۂ غم ہائے ہجراں آپ سے
مشورہ لیتا ہے شاید چرخِ گرداں آپ سے

اب تسلی بخش کوئی بات کہہ دیں آپ بھی
کہہ چکا ندرتؔ تو سب حالِ پریشاں آپ سے

جو آنکھ محوِ سیرِ خرابات ہوگئی
سرمایہ دارِ کشف و کرامات ہوگئی

صورت ہی غم میں کاشفِ حالات ہوگئی
جس بات کا تھا خوف وہی بات ہوگئی

جب پیرِ میکدہ سے ملاقات ہوگئی
ہستی شیخ قبلۂ حاجات ہوگئی

جب مل گئے کہیں تو کوئی بات ہوگئی
سمجھیں تو آپ۔ کیا یہ ملاقات ہوگئی

مجھ سے اگر نشے میں کوئی بات ہوگئی
نیچی جناب شیخ کی کیا ذات ہوگئی

مجھ کو سُلا کے قبر میں پچھتائیے نہ آپ
جو بات ہونے والی تھی وہ بات ہوگئی

ہستی کسی غریب کی اے انقلابِ دہر
اک مرکزِ حوادث و آفات ہوگئی

رہ رہ کے ان کی یاد میں آتے ہیں غش مجھے
یعنی کہ بیخودی بھی اب اِک بات ہوگئی

وہ پُوچھنے کو آئے ہیں اُن سے کیا کہوں
کچھ اور ابتر صورتِ حالات ہوگئی

چھائی کچھ ایسی تیرگیِ بخت نامراد
صبحِ ازل بھی میرے لئے رات ہوگئی

کیسے مزاج پُوچھتے ہیں ہم بھی حشر میں
تم دیکھنا۔ جو اُن سے ملاقات ہوگئی

ذکرِ وفا کا قول اب آئیں نہ پھیریئے
جو پہلے بات ہوگئی وہ بات ہوگئی

محشر سے پہلے صبح کی اُمید ہی نہیں
فرقت کی رات اتنی بڑی رات ہوگئی

وہ وقت نزع آئے مگر آئے تو سہی
پوری تو آج رسم ملاقات ہوگئی

آزادیِ جہانِ حقیقت کو چھوڑکر
دنیا اسیرِ وہم و خیالات ہوگئی

امید تو نہیں کہ وہ رودادِ غم سنیں
یہ بات ہوگئی تو بڑی بات ہوگئی

دن ہی مریضِ غم کے لئے اک پہاڑ تھا
لو اور آفت آگئی اب۔ رات ہوگئی

مانا کہ چھیڑ سے وہ دغا باز کہہ گئے
ندرتؔ کے واسطے تو بڑی بات ہوگئی

کون سنتا ہے تپ ہجر میں نالے دل کے
آپ ہی آپ کوئی شعلے بجھالے دل کے

تھام لے دل کو بھی اے توڑنے والے دل کے
تیر بن جاتے ہیں دل کے لئے نالے دل کے

چٹکیاں لیں مگر ارمانوں کو چھیڑا نہ کبھی
تم نے چبھتے ہوئے کانٹے نہ نکالے دل کے

قصۂ سوزِ نہاں اب تو کہو سچا ہے
لو زباں پر مری موجود ہیں چھالے دل کے

دو ہی باتیں تو محبت میں ہوئیں اور نہ ہوں
کوئی زندہ بھی رہے۔ غم بھی اُٹھالے دل کے

اس امانت کے تو رکھنے کو جگر ہے درکار
اپنے ناوک کو وہ کرتے ہیں حوالے دل کے

ہو چکا ایسے جنوں کا مداوا ندرتؔ!
چھیل کر آپ ہی جو زخم بڑھالے دل کے

مخمسات

انہماک اتنا خیالاتِ پریشاں میں رہا
کچھ عجب عالم کشاکش سے دل و جاں میں رہا
فرطِ محویت سے سر چاک گریباں میں رہا
دل گرفتہ حلقۂ امید و حرماں میں رہا
عمر بھر میں قیدیوں کی طرح زنداں میں رہا

گو بظاہر حال ہے میرا زبوں اے چارہ گر
پھر بھی از خود رفتہ ہوں دیوانہ ہوں اے چارہ گر
پی لیا ہے دشت کے کانٹوں نے خوں اے چارہ گر
ہے اگر قائم یہی جوشِ جنوں اے چارہ گر
تو نے رکھا مجھ کو اور میں تیرے زنداں میں رہا

خود نکالا آخری ارمان ہم نے اس طرح
خود کو اُن پہ کر دیا قربان ہم نے اس طرح
اپنی مشکل کو کیا آسان ہم نے اس طرح
وہ ہوئے رخصت تو دے دی جان ہم نے اس طرح
سر رہا قدموں پہ اُن کے ہاتھ داماں میں رہا

ہے برا او جیتے جی آسان کب اس درد کا
کھل گیا بیمارِ غم پر حال سب اس درد کا
بیٹھنا آفت ہے، اُٹھنا ہے غضب اس درد کا
زخم جب ظاہر نہیں پھر کیا سبب اس درد کا
آپ کا تیرِ نظر شاید رگِ جاں میں رہا

کون کر سکتا ہے ہم کو باندھ کر گوشہ نشیں
ہم سے چھوٹی ہے نہ چھوٹے دشتِ وحشت کی زمیں
طوق میں بوتا نہیں، زنجیر میں طاقت نہیں
قید میں جاتی ہے دیوانوں کی آزادی کہیں
ہم رہے زنداں میں لیکن دل بیاباں میں رہا

گو اکیلے ہیں کوئی مونس نہیں ہمدم نہیں
پھر بھی یکسوئی ہمارے واسطے کچھ کم نہیں
دل کو اطمینان حاصل ہو پریشاں ہم نہیں
اب گرفتارِ قفس ہیں اب ہمیں کچھ غم نہیں

سو طرح کا جان کو کھٹکا گلستاں میں رہا

کیا کیا وعدہ وفا جب بے وفائی میں رہے
کج ادائی کو نہ چھوڑا، کج ادائی میں رہے
خود نمائی اُن کی خو ہے۔ خود نمائی میں رہے
شب کو پاسِ حُسن سے وہ خود ستائی میں رہے

مجھ کو اُن کا پاس تھا میں اُن کی ہاں ہاں میں رہا

کیوں نہ کرتا وہ گریباں چاک رازِ عشق فاش
کھیل اُس کے ہاتھ کا تھا جیب و داماں کی تراش
گرچہ دل تھا جستجو میں سنگِ غم سے پاش پاش
لیلیٰ محمل نشیں کی قیس نے کیا کی تلاش

وہ تو ہر پھر کر بیاباں کا بیاباں میں رہا

ضبطِ غم کے ساتھ قسمت پر توکّل چاہیے
آہ میں تاخیر نالے میں تامّل چاہیے
مشکلیں سب سہل ہوتی ہیں تساہل چاہیے
نذرتؔ! اربابِ محبّت کو تحمّل چاہیے

جب تڑپ اُٹھے مزا کیا دردِ پنہاں میں رہا

دیگر

کیونکر کہوں مستی ترے تیور میں نہیں ہے
مخمور نہیں ہیں کہ نشہ سر میں نہیں ہے
دم بھر میں جو تھا حال وہ دم بھر میں نہیں ہے
ساقی! یہ اثر بادۂ احمر میں نہیں ہے

جو کیف اِن آنکھوں میں ہے ساغر میں نہیں ہے

گر دل کو ہلاتی تھی مری آہِ رسا بھی
ہنستوں کو رُلا دیتی تھی رونے کی صدا بھی

ملتی تھی کس شوخ کو کچھ دادِ جفا بھی — پہلے تو تڑپنے میں کچھ آتا تھا مزا بھی

وہ دم وہ سکت اب دلِ مضطر میں نہیں ہے

آ ایک نظر بہرِ خدا دیکھ لے واعظ! — کیا اس میں بگڑتا ہے ترا دیکھ لے واعظ!

رنگین سی یہ چیز ہے کیا دیکھ لے واعظ! — مدہوش ہوں میں تو بھی ذرا دیکھ لے واعظ!

توبہ کا مری خون تو ساغر میں نہیں ہے

یکساں ہے دو جانب خلشِ حسرت و ارماں — بیتاب جگر ہے دلِ ناشاد ہے نالاں

اللہ رے سرگرمیِ سوزِ غمِ پنہاں — اُٹھ اُٹھ کے یہ کہتا ہے مریضِ تپِ ہجراں

اللہ کہیں آگ تو بستر میں نہیں ہے

شوریدہ سری جوششِ جنوں شورشِ وحشت — بیتابیِ دل، سوزِ دروں، داغِ محبت

بیدادِ فلک۔ رشکِ عدو۔ صدمۂ فرقت — غم، یاس، قلق، درد، الم، رنجِ مصیبت

کیا کچھ کسی بیکس کے مقدر میں نہیں ہے

تشہیر سے ضبطِ غمِ اُلفت میں غرض کیا — افشائے محبت سے محبت میں غرض کیا

اظہارِ مصیبت سے مصیبت میں غرض کیا — صحرا سے مجھے عالمِ وحشت میں غرض کیا

گھر ہی مجھے صحرا ہے جو تو گھر میں نہیں ہے

موجود ہے کہنے کو بہت نام کا ساماں — ادبار کا ساماں ہے۔ آلام کا ساماں

جو اپنے نہ کام آئے وہ کس کام کا ساماں — میں تو یہی کہتا ہوں کہ آرام کا ساماں

دُنیا میں نہیں ہے جو مرے گھر میں نہیں ہے

بے پردہ ہے اور پردۂ حائل بھی ہے وہ بت | لیلیٰ جو اسے سمجھو تو محمل میں ہے وہ بت
اُمید سے اور یاس سے مشکل میں ہے وہ بت | اللہ رے تصور کہ مرے دل میں ہے وہ بت
اے وائے مقدر کہ مقدر میں نہیں ہے

پردے کی یہ شہرت کہ ہے رسوائے جہاں بھی | جلوے کی یہ صورت کہ یہاں بھی ہے وہاں بھی
شوخی کی یہ حالت کہ ہے نہاں بھی عیاں بھی | جس آنکھ میں رہتا ہے اُسی سے ہے نہاں بھی
جس گھر میں وہ کافر ہے اُسی گھر میں نہیں ہے

کچھ پاسِ حیا ہے ابھی کچھ پاسِ نزاکت | تلوار اُٹھائیے یہ کہاں ہے اُسے جرأت
ناداں ہے قاتل ابھی اتنی نہیں جرأت | شرکت ہے عدو کی بھی مرے قتل میں ندرت
گو نام تو اس کا مرے محضر میں نہیں ہے

ودیگر

نہ دردِ دل کے لئے فکرِ چارہ گر کرتے | نہ کچھ شکایت بیتابیٔ جگر کرتے
نہ آہ و نالہ و فریاد اس قدر کرتے | جو ابتدا میں ہم انجام پر نظر کرتے
تو عاشقی کی تمنا نہ عمر بھر کرتے

سنبھل کے سینہ فگاروں نے بیٹھنے نہ دیا | ہزار وہم تھے۔ ہزاروں نے بیٹھنے نہ دیا
اِدھر اُدھر کے اشاروں نے بیٹھنے نہ دیا | اُنھیں تو بزم میں یاروں نے بیٹھنے نہ دیا
وہ اپنا چاند سا مکھڑا کدھر کدھر کرتے

نہ خلق نعش پہ سر پیٹتی ہوئی آتی | نہ یاس دیدۂ حسرت سے خون برساتی

نہ آرزو صفِ ماتم میں مل کے چلّاتی | شہیدِ ناز کی کچھ اشک شوئی ہو جاتی

جو تم کفن کو ذرا آنسوؤں سے تر کرتے

ملال کیا جو میسّر نہیں وصال اُن کا | کہ اپنے عیش کا سامان ہے ملال اُن کا

نگاہ میں ہے نہاں حسنِ لازوال اُن کا | ہمارے دل میں امانت رہا خیال اُن کا

ہم اُن کی چیز کو کیونکر اِدھر اُدھر کرتے

ہزار مجلسِ ماتم میں آشنا بیٹھے | مزا ہی سوگ کا حاصل نہیں تو کیا بیٹھے

جو آرزو تھی اُسے خاک میں ملا بیٹھے | یہ کیا کہ لوگ جنازے پہ میرے آ بیٹھے

اُنھیں بلا کے بٹھاتے۔ اُنھیں خبر کرتے

یہ ناز اُن کا نرالا ہے یہ ادا اچھّی | دغا بھی آنکھ سے ظاہر ہے اور مروّت بھی

حجاب میں ہے شرارت حیا میں ہے شوخی | غضب ہے بیٹھ کے پردے میں تاک جھانک اُن کی

اگر چھپے تھے تو پابندیِ نظر کرتے

ہزاروں داغ دیئے دل کو ناگہاں تو نے | ہمیشہ لی ہیں کلیجے میں چٹکیاں تو نے

نہ رازِ عشق کو رہنے دیا نہاں تو نے | کیا ہے خود ہمیں آمادۂ فغاں تو نے

کہاں تک او ستم ایجاد درگزر کرتے

نہ عیش کا ہے قرینہ نہ چین کی صورت | نہ راہ پہ ہے زمانہ نہ راہ پر قسمت

نہ دوستوں میں وفا ہے نہ جذبۂ اُلفت | ہوا جہان کی بگڑی ہوئی ہے اے ندرت

بس اب تو تم عدم آباد کا سفر کرتے

دیگر

آنکھ نیچی ہو گئی روئے مصفا دیکھ کر　　بن گئے تصویر حیرانی سراپا دیکھ کر
مٹ گیا دعویٰ جواب حسنِ یکتا دیکھ کر　　وہ خجل ہیں آئینہ میں عکس اپنا دیکھ کر
اور نقشہ ہو گیا ایک اور نقشا دیکھ کر

نالۂ و شیون پہ آمادہ دل ناداں بھی ہے　　خون برسانے پہ مائل دیدۂ گریاں بھی ہے
شومیٔ قسمت بھی ہے تاریکی ہجراں بھی ہے　　وہ نہیں تو درد بھی ہے غم بھی ہے حرماں بھی ہے
سو بلاؤں نے مجھے گھیرا ہے تنہا دیکھ کر

کس قدر رسوا کیا ہے اُس نے سمجھو تو سہی　　نام روشن ہو گیا دُنیا میں دیکھو تو سہی
اس میں کیا خوبی ہے اپنے دل سے پوچھو تو سہی　　مدعی کے ساتھ تم نکلو گے سوچو تو سہی
کیا کہیں گے اہلِ محشر یہ تماشا دیکھ کر

چین مر کر بھی نہ آئے رنج اتنا تو نہ دو　　زندگانی اب نہیں تکلیف بیجا تو نہ دو
سیکڑوں چرکے دیئے ہیں اور چرکا تو نہ دو　　تم مریضِ عشق کی میّت کو کاندھا تو نہ دو
پھر نئے سر سے نہ اُٹھ بیٹھے سہارا دیکھ کر

مجھ کو رہ رہ کر تڑپنے کا مزا حاصل نہ تھا　　اتنی بے چینی نہ تھی۔ بیتاب اتنا دل نہ تھا
کچھ نہ تھا جب تک نگاہِ ناز کا بسمل نہ تھا　　حسن میں بھی کچھ اثر ہوتا ہے میں قائل نہ تھا
میری آنکھیں کھل گئیں جلوا تمہارا دیکھ کر

حشر اے واعظ حسینوں کے قدِ رعنا میں ہے　　آفتاب حشر کی تابش رخِ زیبا میں ہے

ہم کو رونا ہے یہیں کا تو غم عقبیٰ نہیں ہے — خلد کا کیا ذکر وہ تو دوسری دنیا میں ہے

ہم ابھی پچھتا رہے ہیں ایک دنیا دیکھ کر

کیا شہید ان جفا کا خوں بہا مارا گیا؟ — رحم کیا غارت ہوا۔ انصاف کیا مارا گیا
ایک کی آئی تھی۔ لیکن دوسرا مارا گیا — تھی نظر دل پر جگر کیوں بے خطا مارا گیا

چھوڑنا تھا تیر تم کو تاک کر یا دیکھ کر

جان دینا عشق میں دشوار۔ مشکل زندگی — بیکلی سی بیکلی ہے جانکنی سی جانکنی
کس نے دیکھی کس سے دیکھی جائے گی حالت مری — رحم کے قابل ہوں میں ایسا کہ شاید موت بھی

چھوڑ دے گی مجھ کو ناکام تمنّا دیکھ کر

یوں تو دو آنکھیں ہیں لیکن سیکڑوں میں انتخاب — ایک پر ہے شرم صدقے ایک پر قرباں حجاب
رنگ لاثانی۔ ادا بے مثل صورت۔ لاجواب — کس غضب کا بانکپن ہے۔ کس قیامت کا شباب

ہے زمانہ دم بخود اُن کا زمانہ دیکھ کر

آج بھی تو کر گیا اُلٹا اثر میرا نصیب — اب نہ سیدھا ہو سکے گا عمر بھر میرا نصیب
پھر گیا لو آتے آتے راہ پر میرا نصیب — پڑھ گئے وہ اپنی تعریفیں مگر میرا نصیب

خط کے پرزے کر دیئے حرف تمنّا دیکھ کر

کس طرح داغ پشیمانی مٹاؤں حشر میں — منہ ہی اس قابل نہیں کیا منہ دکھاؤں حشر میں
ہائے دو آنکھوں کو کس کس سے چراؤں حشر میں — شرم دامنگیر ہے کیا سر اٹھاؤں حشر میں

ہو گئیں نیچی نگاہیں اُن کو رسوا دیکھ کر

درد کا مارا ہوا ہے کچھ تمہیں تڑپائے گا
پھر تمہارا ہی ہے آخر رنگ کب تک لائے گا
زخم کھایا ہے کبھی کچھ خون بھی ٹپکائے گا
دل کو رکھو تو سہی یہ عیب بھی مٹ جائے گا
اب نہ جی میلا کرو داغِ تمنا دیکھ کر

کونسی اُس کے لئے آرام کی صورت نہیں؟
دلگی دن کو نہیں یا رات کو عشرت نہیں؟
وصل کا ساماں نہیں، سرمایۂ راحت نہیں؟
غیر جیسا بھی جہاں میں کوئی خوش قسمت نہیں
صبح اُٹھتا ہے تمہارا روئے زیبا دیکھ کر

وہ مسلماں کیا نہ ہو تقوی کی جس کو احتیاج
کیا کہوں حق نے دیا ہے مجھ کو رندانہ مزاج
فکرِ فردائے قیامت واقعی لازم ہے آج
میں نے توبہ کی ہے لیکن اس طلب کا کیا علاج
منہ میں بھر آتا ہے پانی جام و صہبا دیکھ کر

ہر طرح حاضر ہوں میں تم امتحاں کی ٹھان لو
ہاں بس اتنی شرط ہے اس میں کہ کہنا مان لو
دین لو۔ ایمان لو۔ دل لو۔ جگر لو۔ جان لو
میں ہوں دیوانہ تمہارا تم مجھے پہچان لو
رنگِ وحشت دیکھ کر یا جوششِ سودا دیکھ کر

آپ اپنی موت کا ساماں مہیا کر لیا
چاک دامن ہو کے خود اپنے کو رسوا کر لیا
داغِ غم دل میں، جگر میں درد پیدا کر لیا
تو نے ندرتؔ عشق میں کیا حال اپنا کر لیا
دیکھ تو کیا کہہ رہی ہے تجھ کو دنیا دیکھ کر

حصّہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

دعویٰ جو فکر کو ہے ادائے سپاس کا
یہ مرحلہ بھی کیا کوئی مضموں ہے پاس کا

جذبہ تو دیکھ اپنے حقیقت شناس کا
کرتا ہے چاک آپ ہی دامن حواس کا

پاسِ ادب سے کلکِ رواں سر کے بل چلے
یہ جادہ ہے منازلِ حمد و سپاس کا

ہیں بے شمار میری خطائیں بھی اے کریم
ہوں میں بھی مستحق کرمِ بے قیاس کا

بنکر نظر کا نور سمایا نظر میں تو
جاگا نصیب چشمِ حقیقت شناس کا

تنہا ہی بحرِ عشق کی ہوگی شناوری
کیا کام اس میں کشتیٔ ہوش و حواس کا

آگاہ کیا ہو تیری حقیقت کے راز سے
انساں ہے اک مجسّمہ وہم و قیاس کا

راہِ طلب میں کاش سبک رو ہو میری رُوح
بارِ گراں اُوتار کے خاکی لباس کا

اک تازہ اضطراب کی دیتا رہا خبر
ہر سانس تیرے درد کے لذّت شناس کا

اسے رہگرائے منزلِ دشوارِ معرفت
کچھ دُور تک ہی ساتھ رہے گا حواس کا

ندرت ہے تیرے لُطف و کرم کا اُمیدوار
حرماں کا اُس کے دل میں گذر ہو نہ یاس کا

غزلیات

ازل میں کھینچ اک نقش دلکش میری ہستی کا
تمنّاؤں کا مٹ جانا و جڑنا دل کی بستی کا
خُدا سمجھے تجھے یہ کیا ستم ہے اے گرانجانی
یہی کہتا ہے اُٹھ اُٹھ کر غُبارِ ناتواں میرا
اسی موسم میں وحشت کی اُمنگیں رنگ لاتی ہیں
پلا دیتا ہے چُلّو ہی سے مُجھ کو پیرِ میخانہ

سبق مجھ کو دیا تھا آپ ہی نے خود پرستی کا
خداوندا یہی کیا ماحصل تھا میری ہستی کا
بھرم جاتا ہے اُس تیغ آزما کی تیز دستی کا
نتیجہ سربلندی ہے رہِ اُلفت میں پستی کا
بہارِ گل میں دیکھے کوئی عالم میری مستی کا
لبوں تک آ کے رہ جاتا ہے شکوہ تنگدستی کا

صدا انفاس کی دیتی ہے درسِ خود فراموشی
فنا تاثیر ہے ندرتؔ! یہ نغمہ سازِ ہستی کا

دی جان جو مرنے والے نے مرنے کا کوئی تو سبب بھی تھا
کچھ اُن کی نظر بھی نیچی تھی کچھ خندۂ زیرِ لب بھی تھا

اشکوں میں بہا کر دل کو بھی ہم نے تو نتیجہ دیکھ لیا
تقدیر کا رونا اب بھی ہے تقدیر کا رونا جب بھی تھا

اِک شامِ بلا لیکر آئی دو طرح کی آفت دل کے لئے
فکرِ صبحِ مصیبت بھی تھی اندیشۂ طولِ شب بھی تھا

دیدار کی حسرت کیا نکلی جب اُن کی نظر سے دُور رہا
کہنے کو تو یُوں غیروں کی طرح میں شاملِ بزمِ طرب بھی تھا
کس طرح نہ آتے سامنے وہ میں اُن کو نہ دیتا دل کیونکر
اپنی اپنی مرضی بھی تھی اپنا اپنا مطلب بھی تھا
جس دل کو وفا کے باعث وہ سرمایۂ ناز سمجھتے تھے
اظہارِ تمنّا کر کے وہی مستوجب قہر و غضب بھی تھا

تلوار چلائی رُک رُک کر قاتل نے گلے پر اسے ندرتؔ
میرے ہی خوں کا پینے والا مجھ سے ہی داد طلب بھی تھا

خطِّ قسامِ ازل اک دام ہے زنجیر کا
یہ تصوّر میں پڑا پردہ تو تری تصویر کا
دل کشاکش ہائے غم سے ہو تو سکتا ہے رہا
ٹوٹ جانا شرط ہے انفاس کی زنجیر کا
خاک ہو کر بھی نہ پہنچے منزلِ مقصود تک
ہائے دامن بھی نہ ہاتھ آیا کسی رہگیر کا
روز دل میں دفن ہو جاتی ہے اک حسرت نئی
روز دل بنتا ہے منظر قبرِ نو تعمیر کا
تشنہ کامانِ بادۂ ہستی تڑپتے رہ گئے
دور آخر ہو گیا پیمانۂ تقدیر کا
ہے تجلّی گاہِ حُسنِ دوست دل بھی آنکھ بھی
دونو آئینوں میں گھر ہے ایک ہی تصویر کا
آپ اگر دامن جھٹکتے ہیں تو گستاخی معاف
سر چڑھے گا ذرہ ذرہ خاکِ دامنگیر کا
دیکھتے ہیں سب مری بیتابیٔ پیہم کی سیر
میں مزہ لیتا ہوں خوش آہنگیٔ زنجیر کا

آدمِ خاکی ہے قیدی خانۂ تقدیر کا
بن گیا خود دل مُرقّع حُسنِ عالمگیر کا

دید کے قابل تھے رنگ آتے ہوئے جاتے ہوئے
مُنہ نہ دیکھا تم نے اک مٹتی ہوئی تصویر کا

واقعاتِ زندگی مایوسیوں کی شرح ہیں
یاس ہے عنوان میرے دفترِ تقدیر کا

بچپن آیا۔ پھر شباب۔ آخر کو پیری آ گئی
اب تماشا ختم ہے نیرنگیٔ تقدیر کا

نقشِ ہستی سے ہے ندرتؔ! اس قدر کیوں حُسنِ ظن
دوسرا رُخ اور کچھ ہوتا ہے اس تصویر کا

تم قدر انداز ہو دل ہے دھنی تقدیر کا
اتنو مشکل ہی سے چُوکے گا نشانہ تیر کا

کچھ تو نکلے گا نتیجہ آہِ بے تاثیر کا
دل ہی ہو جائے گا بسمل آپ اپنے تیر کا

آبلہ پائی سے بیٹھے پا شکستہ ہو کے ہم
مٹ گیا غربت میں شکوہ گردشِ تقدیر کا

ناوک اندازی پہ اپنی تم تو کچھ اِترا گئے
دیکھتے ہو دل میں ہنس ہنس کر نشاں ہر تیر کا

کیا رہے دُنیا میں ہم جب لُطفِ دُنیا مٹ گیا
کیا رہی تصویر جب رنگ اُڑ گیا تصویر کا

ٹُوٹتی جاتی ہے رہ رہ کر تڑپنے کی اُمید
چھوٹتا جاتا ہے دل اک قیدیِ زنجیر کا

شکوہ کرنا چاہتا ہوں لیکن اُن کے سامنے
دفعتہً پہلو بدل جاتا ہے خود تقریر کا

آخری ہیں ہچکیاں اب تم مجھے تسکین دو
جوڑنا دُشوار ہے اس ٹُوٹتی زنجیر کا

تھے وہ محوِ گفتگو خلوت میں جا پہنچا جو میں
ہو گئے چُپ پھیر کر رُخ غیر کی تصویر کا

پہلے توڑا پھر سلوک اُس کے جو یاد آئے مجھے
میں نے خود ماتم کیا ٹُوٹی ہوئی زنجیر کا

بعدِ مدت آج مُنہ مانگی ملی ندرتؔ! مُراد
لے رہا ہے زخمِ دل بوسہ زبانِ تیر کا

خاک میں جب میرا جسمِ ناتواں مل جائے گا
ظلم ڈھانے کو زمیں سے آسماں مل جائے گا

دل کی بربادی کا افسانہ سُنانا شرط ہے
ہر جگہ مجھ کو نیا اک نوحہ خواں مل جائے گا

کعبہ ہو یا بتکدہ میخانہ ہو یا خانقاہ
ہم وہیں کے ہو رہیں گے تو جہاں مل جائے گا

رفتہ رفتہ خود پھنسا دیگی گرانباری مجھے
جُھکتے جُھکتے دام سے خود آشیاں مل جائے گا

تجھ کو پچھتانا پڑے گا پوچھکر وجہ سکوت
دردمندوں کو ترے عذرِ فغاں مل جائے گا

آرہا ہے تیری جانب جلنے والوں کا غبار
اب تجھے بھی کچھ مزا اے آسماں مل جائے گا

ضبطِ اُلفت کا نتیجہ صبر کا ندرت ! ثمر
کچھ یہاں ہم کو ملا ہے کچھ وہاں مل جائے گا

حُسنِ صورتگیر معنی آفریں ہوتا رہا
خاک کا ہر پُتلہ پیوندِ زمیں ہوتا رہا

صرفِ غم خونِ دلِ اندوہگیں ہوتا رہا
ختم یوں سرمایۂ جانِ حزیں ہوتا رہا

اُن کے ہر اقرار کا ہم کو یقیں ہوتا رہا
ہر فریب اُن کا ادائے دلنشیں ہوتا رہا

نوحہ گر تربت پہ وہ نازآفریں ہوتا رہا
مرنے والے کے لئے محشر یہیں ہوتا رہا

دیکھنا تھا یہ بھی تجھ کو اے نگاہِ مضطرب
کوئی کتنی دیر تک جبیں برجبیں ہوتا رہا

دل سے مژگاں تک پہنچنا آج تو دشوار ہے
اشکِ خوں کل تک ہی زیبِ آستیں ہوتا رہا

تھا مآل آگاہ پہلے ہی مرا نخلِ وجود
جس قدر بڑھتا رہا سر بر زمیں ہوتا رہا

ہم رہے لاعلم اور انفاس کے طوفان میں
منتشر شیرازۂ جانِ حزیں ہوتا رہا

موردِ الزام بیتابی بنا انجام کار
دل کہ قربانِ نگاہِ دلنشیں ہوتا رہا

یہ لگاوٹ ہی تو رسوائی کا ساماں بن گئی — وہ مجھی سے ہائے کیوں چیں بہ جبیں ہوتا رہا

اور کس تشریح کے محتاج تھے اسرارِ عشق — ہر خیال اک معنیِ خاطر نشیں ہوتا رہا

جس طرح جلتا ہے روغن شمع کا ہمراہِ شمع — خونِ دل ہی صرفِ داغِ آتشیں ہوتا رہا

حشر سے کچھ کم نہ تھا ہنگامۂ اُمید و بیم — جو وہاں ہونا تھا دل پہ وہ یہیں ہوتا رہا

یُوں بھی کچھ اُن کی کدورت میں اضافہ ہی ہوا — میرا ہر نالہ غبارِ دلنشیں ہوتا رہا

وہ تو اے ندرتؔ حجابِ قدس میں پنہاں رہے
دیکھنے والے کو نظّارہ یہیں ہوتا رہا

وہ جوشِ اشک دیدۂ تر میں نہیں رہا — اب خون ہی ہمارے جگر میں نہیں رہا

رُسوائیوں کی عشق میں بس انتہا یہ ہے — اپنا وقار اپنی نظر میں نہیں رہا

اُن کی نگاہ میں ہوس و عشق ایک ہیں — کچھ امتیاز عیب و ہنر میں نہیں رہا

خُشکی کچھ ایسی آگئی مرہم کے نام سے — جیسے لہو ہی زخمِ جگر میں نہیں رہا

ہم کیوں کہیں کہ رُخ سے اُٹھا دے کوئی نقاب — پھر کیا رہا جو شوق نظر میں نہیں رہا

بیتابیوں سے حسرتِ پرواز مٹ گئی — آخر کو دم ہی بازو و پر میں نہیں رہا

وہ بے نقاب آئے ہیں ندرتؔ کے قتل کو
شاید کہ اب حجاب نظر میں نہیں رہا

جو مٹتے مٹتے عشق میں ناپید ہو گیا — وہ ہوتے ہوتے زندۂ جاوید ہو گیا

جو ہر شناس آپ نہیں اپنے تیر کے — یہ اُس کے دل سے پوچھئے جو صید ہو گیا

گھیرے رہے گی اب مجھے دامِ قفس کی یاد
آزاد ہو گئے اور ابھی میں قید ہو گیا

اس کو ملی حیات دوروزہ خدا کی شان
فطرت کا جس کی جزوِ غمِ جاوید ہو گیا

یہ پیرِ میکدہ کی کرامت تو دیکھئے
ساغر دیا جسے وہی جمشید ہو گیا

دیکھا عدو کو اس نے یہاں دم پہ بن گئی
ناوک چلا کسی پہ کوئی صید ہو گیا

پھر جلوہ گاہِ حسن سے اٹھنا محال تھا
گویا وہاں پہنچتے ہی میں قید ہو گیا

وہ بار بار اٹھا کے نظر دیکھتے ہیں یہ
ناوک خطا ہوا کہ کوئی صید ہو گیا

ندرت اتلاشِ رسمِ محبت فضول ہے
یہ جذبہ ہی جہان سے ناپید ہو گیا

مبتلائے صد الم تھا وقفِ صد بیداد تھا
دل کہ جو نا آشنائے شیوۂ فریاد تھا

کند بسمل کے گلے پر خنجرِ بیداد تھا
وہ بھی مجبورِ تغافل کار ہی جلاد تھا

عمرِ فانی کا بھروسہ زندگی کا اعتبار
اک خیالِ خام تھا اک وہمِ بے بنیاد تھا

حشر میں تم سامنے آئے تو کچھ دھیان آگیا
ورنہ اس دنیا کا افسانہ مجھے کب یاد تھا

یہ بھی میں ہی ہوں کہ اب مجھ سے قفس آباد ہے
وہ بھی میں ہی تھا کہ جب مجھ سے چمن آباد تھا

جس قدر رہ رہ کے میں تڑپا چلی رگ رگ کے تیغ
میں سراپا درد تھا درد آشنا جلاد تھا

آشیانے کی بنا بھی میں نے جب ڈالی نہ تھی
تاک میں برقِ بلا تھی گھات میں صیاد تھا

کھینچتا تھا اک نئی تصویر ہر لحظہ خیال
دل مرے پہلو میں کیا تھا اک طلسم آباد تھا

ہو گئی جب عمر پوری پھر کہاں تھی قیدِ زیست
میں گرفتارِ مصائب تابعِ میعاد تھا

تھی پریشانی کا سرمایہ بہارِ زندگی — ہیں بہ رنگِ بُو چمن میں خانماں برباد تھا

فصلِ گُل میں خود رگِ دل سے لہو بہتا رہا — جوشِ سودا بے نیازِ نشترِ فصّاد تھا

جب سے پُوچھا تُو نے دِل کو ضبط کا یارا نہیں — کیا تغافل ہی ترا مُہرِ لبِ فریاد تھا

بیقراری حد سے بڑھ کر وجہ تسکیں ہو گئی
درد ہی ندرت! مداوائے دلِ ناشاد تھا

وہ ہنسیں لاش پہ احباب کریں غم میرا — اُس کی قدرت کا تماشا ہے کہ ماتم میرا

ساتھ دیتی رہے بیتابیٔ پیہم میرا — ہیں بھروں درد کا دم درد بھرے دم میرا

روئیں انساں بھی فرشتے بھی کریں غم میرا — کم سے کم دونو جہاں ہیں تو ہو ماتم میرا

بس مقدر پہ نہیں دل میں اُمیدیں لاکھوں — یہ مری ہستیِ مجبور یہ عالم میرا

آپ نے گورِ غریباں کا سماں دیکھ لیا — یہ خموشی ہے کہ ہے نوحۂ ماتم میرا

اُس نے جب ہنس کے نمک زخمِ جگر پر چھڑکا — زخمِ دل نے بھی کہا لائیے مرہم میرا

فطرتِ حُسن بدل جائے تو یہ ممکن ہے — میری تربت پہ کریں آکے وہ ماتم میرا

نام ہے جس کا تحیّر وہ ہے ہستی میری — جس کو کہتے ہیں تصوّر وہ ہے عالم میرا

مستیاں عہدِ جوانی کی الٰہی توبہ — اب بھی ہے میری نگاہوں میں وہ عالم میرا

میں ابھی دام میں آیا تھا کہ یارانِ چمن — پہلے سے پہلے ہی کرنے لگے ماتم میرا

نظر آتے ہیں مرے بعد پریشاں ندرت!
کرتے ہیں میرے عناصر بھی تو ماتم میرا

مجلسِ غم میں بھی دیکھیں گے وہ کیا غم میرا
اُن کے آتے ہی تو اُٹھ جائے گا ماتم میرا

سرِ تسلیم درِ دل ہی پہ ہے خم میرا
عشق دُنیا ہے مری شوق ہے عالم میرا

حشر میں بھی نہ ہوا جوشِ جنوں کم میرا
ہے وہی دوسرے عالم میں بھی عالم میرا

بار بار اُن کو جو رہ رہ کے ہنسی آتی ہے
گُدگُداتا ہے اُنھیں گریۂ پیہم میرا

اے صبا رحم کے قابل ہے وہ شمعِ تربت
جس کی تقدیر میں ہے گریۂ ماتم میرا

میں نہ زندوں میں نہ مُردوں میں محبت کے سبب
دونو عالم سے جُداگانہ ہے عالم میرا

ایسے دل رکھنے کے احسان سے میں باز آیا
مُجھ کو دیدیجئے واپس دلِ پُر غم میرا

چاک دل چاک گریباں ہے چمن میرے بعد
سوگ پھولوں میں ہے غنچوں میں ہے ماتم میرا

نہ سہی کچھ بھی نتیجہ مگر اِک شغل تو ہے
دل کا غم میرے لئے دل کیلئے غم میرا

خوں شُدہ دل کا ہے نوحہ کہ تمنّاؤں کا
جانے کیا چیز ہے یہ گریۂ پیہم میرا

غم نصیبی سے مری اُن کو غرض کیا ندرتؔ!
میری قسمت کا نوشتہ ہی سہی غم میرا

کسی کو کیا دکھاؤں رنگ دِل کی ناتوانی کا
کہ یہ دُھندلا سا ہے اک نقشِ حسرت ہائے فانی کا

وہ عالم اب کہاں میری بہارِ زندگانی کا
کہ مُرجھایا ہوا اک پھول ہوں باغِ جوانی کا

سبب مجھ سے بھری محفل میں پوچھا خوں فشانی کا
اسی پر کیا تمھیں دعویٰ ہے دل کی رازدانی کا

پریشانی کا افسانہ کہوں یا ناتوانی کا
کہ اک برگِ خزاں دیدہ ہوں گلزارِ جوانی کا

غمِ اُلفت میں کیا کہنا ہماری زندگانی کا
کہ ہے ہر سانس اک پیغام عیشِ جاودانی کا

سناؤں صبحِ محشر حال کیا دُنیائے فانی کا
کہیں بھولا ہوا ہوں خوابِ شامِ زندگانی کا

مرے سینے ہی میں رہ جائے گا سینے سے اُٹھ اُٹھ کر
مرادود و فغاں خاکہ ہے دل کی ناتوانی کا

مری نظروں میں اب تاریک ہوتی جاتی ہے دُنیا
قریبِ ختم ہے روغن چراغِ زندگانی کا

گزر ہو جائے گی در پر تمھارے خاکساروں کی
مدد وا ماندگی کی ہے سہارا ناتوانی کا

سراپا میں اب اک روداد ہوں عیشِ گزشتہ کی
زبانِ ہر بُنِ مو پر ہے افسانہ جوانی کا

فنا ہوتا ہے اپنی زندگی کی آگ میں جل کر
بشر ہے ایک پروانہ چراغِ زندگانی کا

کوئی پوچھے مری میت پہ میرے سوگواروں سے
دُعائے خیر کا یہ وقت ہے یا شادمانی کا

مرے رونے پہ دُنیا ہنس رہی تھی وقتِ پیدائش
میں ماتم کر رہا تھا آپ اپنی زندگانی کا

تمھارے غم سے ہی دل عمر بھر وابستہ رکھیں گے
ہمیں تو اِک یہی پہلو ملا ہے شادمانی کا

نگاہِ ناز پرور کا اشارا تھا وہ اے ندرتؔ
کہ تھا میرے لئے پیغامِ مرگِ ناگہانی کا

مر کے بھی اے چارہ گر مجھ کو سکوں ہو جائے گا
درد کا درماں ہی ہونا ہے تو یوں ہو جائے گا

موجزن آخر ہر اشکِ لالہ گوں ہو جائے گا
دیدۂ تر اِک نہ اِک دن جوئے خوں ہو جائے گا

جب چھپیں گے آپ کھینچیں گے تصور دل میں ہم
یوں نہ ہوگا آپ کا دیدار یوں ہو جائے گا

میری وحشت پر جو ایسا ہی رہے گا غور و خوض
تجھ کو بھی اے چارہ گر اک دن جنوں ہو جائے گا

حشر میں بھی اس لئے جاتے ہوئے ڈرتا ہوں میں
دیکھتے ہی مجھ کو قاتل سرنگوں ہو جائے گا

دُور رکھ اے چارہ گر نشتر کو اپنے دُور رکھ
چھیڑتے ہی زخمِ دل اک جوئے خوں ہو جائے گا

پپا گئے مجھ سے مگر اُن کو یہ کیا معلوم تھا
شوقِ دیدار اور پردے سے فزوں ہو جائے گا

ں میرا سُن لیا اب یہ بتا دے اے طبیب
یُوں نہ ہوگا درد کو آرام یُوں ہو جائے گا

ن سے یُوں ہو گفتگو پاسِ وفا کے باب میں
وہ کہیں تجھ سے نہ ہوگا میں کہوں ہو جائے گا

مارہی میں کہے گا کون اُن سے حالِ غم
یہ تو ظاہر ہے کہ یُوں دل کو سکوں ہو جائے گا

فصلِ گل میں جانبِ زنداں لئے جاتے ہیں وحشت
اب مجھے ندرت! نہ ہوگا تو جنوں ہو جائے گا

داد خواہی کا بھی موقع کسے حاصل ہوگا
عرصۂ حشر زیارت گہِ قاتل ہوگا

دونو جانب سے نزدوں میں دلِ بسمل ہوگا
تاک میں ہوگی اجل سامنے قاتل ہوگا

یوں دمِ قتل مزا وصل کا حاصل ہوگا
آپ شمشیر مرے خون میں شامل ہوگا

کیوں نہ دل بیخودیِ شوق میں بسمل ہوگا
یعنی قاتل کا تصوّر بھی تو قاتل ہوگا

کس طرح ضبطِ فغاں کا متحمّل ہوگا
اک وہ سینہ کہ جو ماتم کدۂ دل ہوگا

خاک میں تم نے ملائے تو ہیں دل کے ٹکڑے
اب تو ہر ذرّہ تڑپنے کے لئے دل ہوگا

اُن کے دیدار سے محروم ہوں ہستی کے سبب
چاک کب دیکھئے یہ پردۂ حائل ہوگا

مرتے دم نالہ جو نکلے گا دلِ بسمل سے
وہ اک افسانۂ بیدردیِ قاتل ہوگا

اشک مائل بہ تغیّر نظر آتے ہیں مجھے
شاید اب دیدۂ تر پردہ درِ دل ہوگا

نازپروردۂ گہوارۂ گرداب ہوں میں
مجھ کو کیا شوقِ ہم آغوشیِ ساحل ہوگا

تھی کسے عشق میں اس رتبۂ عالی کی خبر
ہوں گے غم سیکڑوں اور ایک درِ دل ہوگا

شدتِ سوزِ نہاں سے یہ بڑھے گی لذت
دل کا ہر آبلہ اک درد بھرا دل ہوگا

لذتِ قید سے دل یونہی جو وابستہ رہا
دل کا ہر نالہ ہم آہنگِ سلاسل ہوگا

تھک کے بیٹھا تو وہیں خاک میں مل جاؤں گا
مجھ کو آغوشِ لحد جادۂ منزل ہوگا

تیغِ قاتل سے شہادت نہ ملے گی ندرت!
دل مگر کشتۂ بے مہریٔ قاتل ہوگا

ہنگامِ عرضِ حال ہے رُخ پر عتاب سا
ہے یہ بھی مجھ کو اُن کی طرف سے جواب سا

وہ بے نقاب تھے مگر اس کا علاج کیا
رُخ پر حیا نے ڈال دیا ہے نقاب سا

کل حسرتوں کے خون میں ممکن ہے ڈوب جائے
دل آج تک تو تیر رہا ہے حباب سا

وہ جوشِ آرزو وہ زمانہ شباب کا
ہے اب بھی مجھ کو یاد مگر ایک خواب سا

اللہ میرے قتل کا انجام ہو بخیر
ظاہر ہے اُن کے چہرے سے کچھ اضطراب سا

اے چارہ ساز تیری سمجھ کی خطا نہیں
قسمت ہی دے رہی ہے مجھے کچھ جواب سا

اب یہ متاعِ شیشۂ دل ہو کہ اشک ہو
آنکھوں میں کچھ جھلک تو رہا ہے شراب سا

چُھپتا نہیں چُھپائے سے حُسنِ نظر فریب
رہتا ہے وہ نقاب میں بھی بے نقاب سا

میں بھی ترا فقیر ہوں اے پیرِ میکدہ
میرے لئے بھی ہے کوئی پیالا خراب سا

کہتے زباں سے کیا وہ دمِ شکوۂ ستم
کچھ دل ہی دل میں کھاتے رہے پیچ و تاب سا

یہ وقت عشق و حُسن کی مجبوریوں کا ہے
کچھ رُعب سا اِدھر ہے اُدھر کچھ حجاب سا

آجائے کل کی آتی ہوئی موت آج ہی
بیٹھا ہوں میں تو پہلے ہی پا در رکاب سا

ندرتؔ بھی اُن کی بزم میں بیٹھا تو ہے مگر
اک سمت نامراد سا ناکامیاب سا

ہے خاکسترِ حسرت ز ہے دودِ فغاں دِل کا
بصورت ہی تو اُن سے مٹ چکا نام ونشاں دِل کا
علا اس کس مپرسی میں ٹھکانا اب کہاں دِل کا
ہ قصہ ہی چکا دیں لیکے خنجر ناتواں دِل کا
ہ کیسے محو ہو جاتے ہیں دِل میں چٹکیاں لیکر
بین کوئے قاتل بھی عجب تاثیر رکھتی ہے
ہ میری ناتواں ہستی یہ بارِ حسرت وارماں
ہاں اب نالۂ دِل کی رسائی اے تری قدرت
وشی کیا مجھ کو رونے کی مگر اللہ رے مجبوری
ہ اپنے دل میں بھی کچھ ٹیس سی محسوس کرتے ہیں
بِ آخر ایسے کتنے تیر ہیں قاتل کے ترکش میں
ینامت میں لبِ شکوہ نہ ہوا جب سمجھئے کچھ

علیحدہ ہے زمیں دل کی علیحدہ آسماں دِل کا
کہ اُن کو دل کے ہر ذرّے پہ ہوتا ہے گماں دِل کا
نہ ساتھی ہے زمیں دل کی نہ حامی آسماں دل کا
جو ہونا ہے تو پھر ہو جائے پورا امتحاں دِل کا
الٰہی کس قدر دلکش ہے اندازِ فغاں دِل کا
کہ رہ جاتا ہے اُٹھ اُٹھ کر غبارِ ناتواں دِل کا
الٰہی رکھ دیا چھاتی پہ کیوں سنگِ گراں دِل کا
جہاں پہلے پہنچ سکتا نہ تھا وہم و گماں دِل کا
وہیں آنسو نکل آئے خیال آیا جہاں دِل کا
اثر اتنا ہی کر سکتا ہے نالہ ناتواں دِل کا
کہ منہ کھولے ہوئے بیٹھا ہے ہر زخمِ نہاں دِل کا
ابھی باقی رہا ہے اور بھی اک امتحاں دِل کا

ہمارا اور اُن کا ایک ہو جانا بھی ممکن تھا
اگر قسمت سے اے ندرتؔ نہ ہوتا درمیاں دِل کا

مانا کہ ہے ہماری فغاں میں اثر بہت
وہ دشمنِ وفا بھی تو ہے بے خبر بہت

دل میں اُتر گئی تری ترچھی نظر بہت
یہ تیر بے کماں تو ہوا کارگر بہت

کس طرح سر ہو زندگی عشق کی مہم
ہمت شکن ہے منزلِ شام و سحر بہت

لذّت ہے کچھ اسی میں کہ اُٹھتا رہے دھواں
اے سوزِ عشق جلنے نہ پائے جگر بہت

یا میں نے آنکھ کھولی تھی یا بند ہو گئی
افسانۂ حیات رہا مختصر بہت

اُن کی نقاب سے بھی تو رکھتی ہے چھیڑ چھاڑ
گستاخ ہو گئی ہے ہماری نظر بہت

دیکھوں گا اب بہار و خزاں کا تماشہ کیا
اے چرخ کھا چکا ہوں فریبِ نظر بہت

جی ہی نہ چھوڑ بیٹھے وہ ناوک فگن کہیں
پھیلا ہوا ہے دامنِ زخمِ جگر بہت

آخر ہجومِ حشر میں ہونا تھا سامنا
مجھ سے اگرچہ اُس نے چرائی نظر بہت

اے رُوح تو بھی سینے سے باہر نکل کے دیکھ
نالے تو کر چکے ہیں تلاشِ اثر بہت

دیر و حرم کی ٹھوکریں کھانے سے فائدہ
ہے عُمر کاٹنے کو تری رہگزر بہت

قسمت مریضِ غم کی کہ اچھا نہ ہو سکا
تو نے کیا علاج تو اے چارہ گر بہت

دُنیا اب اپنے دیدۂ عبرت میں ہیچ ہے
ندرتؔ ! بدل گیا ہے مذاقِ نظر بہت

کر چکے ہم آج تک ضبطِ فغاں اچھی طرح
کان اپنے کھول لے اب آسماں اچھی طرح

کام آخر کر گیا سوزِ نہاں اچھی طرح
اُٹھ رہا ہے دِل کی رگ رگ سے دُھواں اچھی طرح

تنکے اُڑ کر آج تو میرے قفس تک آئے ہیں
باغ میں لوٹا گیا ہے آشیاں اچھی طرح

اب دکھاؤ گے کسے مشقِ ستم کی یادگار
تم مٹا دو میری تربت کا نشاں اچھی طرح

کہتے کہتے جی بھر آیا کیا کہیں ہم رو دیئے
ل ستم کش کا کسی دن تم گلا ہی گھونٹ دو
مر بھر اُٹھے دھواں رہ رہ کے ایسا تو نہو
روزِ محشر اپنی روداد ستم ہم کیوں کہیں
بطِ غم سے کس قدر مجبور تھا بیمارِ عشق
ارہ گر دیکھے گا کیا رکھ کر مرے سینے پہ ہاتھ
ندگانی میری دونوں کے لئے اِک روگ تھی
وستانے والے ہم دیں گے دعائیں ہی تجھے

سُن رہا تھا کوئی غم کی داستاں اچھی طرح
یوں تو ہو سکتا نہیں ضبطِ فغاں اچھی طرح
پھونک دینا دل کو اے سوزِ نہاں اچھی طرح
کہہ رہی ہے اُن کی چشمِ خوں چکاں اچھی طرح
وقتِ آخر بھی نہ لیں دو ہچکیاں اچھی طرح
کر گیا ہے دل میں گھر سوزِ نہاں اچھی طرح
اب زمیں اچھی طرح ہے آسماں اچھی طرح
مُنہ میں جب تک کام کرتی ہو زباں اچھی طرح

سجدے ندرت نے کئے ہیں جتنے تیری راہ میں
جانتے ہیں تیرے قدموں کے نشاں اچھی طرح

وتے جو ترے ساتھ کچھ اے شمع سحر اور
رماں سے اندھیرا ہے اُمیدوں سے اُجالا
ٹھہریں گی اُنھیں دیکھتے ہی دیکھتے آنکھیں
ئے ہیں اِس انداز سے وہ مُنہ کو چھپائے
ے حسرتِ پرواز ترا جوش سلامت
س فکر میں پہلو سے تڑپ کر نکل آئے
ل کام تصوّر سے کہ خود جاؤں سوئے دوست

تو سوگ میں پروانے کے دُھنتی ابھی سر اور
دُنیائے محبّت کی ہے شام اور سحر اور
کچھ دیر تو دیکھیں وہ تماشائے نظر اور
پڑتی نہ ہو اُن پر تو پڑے میری نظر اور
جب نوچے گا صیّاد نکل آئیں گے پر اور
کیا حضرتِ دل! دیکھ لیا ہے کوئی گھر اور؟
ہے حسرتِ دل اور تمنّائے نظر اور

بیتابیٔ پیہم سے ہے ڈر چارہ گروں کو
بڑھ جائے نہ سینے سے کہیں چاکِ جگر اور

دل ہنس کے لیا لیتے ہی دل ہو گئے برہم
جب اُن کی نظر اور تھی اب اُن کی نظر اور

مائل بکرَم غیر پہ مجھ پر غضب آلود
ہے ایک نظر اُن کی ادھر اور اُدھر اور

جن کو سببِ زیست سمجھتا ہوں میں ندرتؔ!
دیتے ہیں وہی تایہ نفس مجھ کو خبر اور

چارہ گر پر کیا بنے گی زخمِ پنہاں دیکھ کر
روئے دیتا ہے مرا چاک گریباں دیکھ کر

کام کر کچھ اے جنونِ فتنہ ساماں دیکھ کر
وہ کہیں برہم نہ ہوں چاکِ گریباں دیکھ کر

وسعتِ دل کی حقیقت ہو نہ جائے بے نقاب
ڈر رہا ہوں کثرتِ غم ہائے پنہاں دیکھ کر

منفعل پھولوں سے بھی خاروں سے بھی شرمندہ ہوں
اے جنوں پیراہنِ بے جیب و داماں دیکھ کر

واقعاتِ زندگی اک درسِ عبرت بن گئے
میری آنکھیں کھل گئیں خوابِ پریشاں دیکھ کر

دام سے چھوٹے مگر زخمی تھے بازو اس قدر
رہ گئے ہم سوئے دیوارِ گلستاں دیکھ کر

اُن کی محفل میں مرا دستِ جنوں بڑھنے کو ہو
لیکن اب یہ کیا خبر کس کا گریباں دیکھ کر

واہ رے ذوقِ اسیری اب رہا ہونے پہ بھی
بیٹھتا ہوں سایۂ دیوارِ زنداں دیکھ کر

ناخدا بھی بحرِ غم میں چھوڑ بیٹھا ہاتھ پاؤں
میری کشتی کو بلا گردابِ طوفاں دیکھ کر

واہ رے جوشِ بہار اپنی خبر لیتے نہیں
پھول ہنستے ہیں مرا چاکِ گریباں دیکھ کر

ناتوانی حیلہ ہے۔ افتادگی اک عذر ہے
پاؤں پھیلائے ہیں ہم نے کوئے جاناں دیکھ کر

اہلِ گلشن ہی کریں نظارۂ موجِ بہار
ہم تو بہلائیں گے جی زنجیرِ زنداں دیکھ کر

سانس کی رفتار دھیمی زندگانی مختصر
جی اُڑا جاتا ہے طولِ شامِ ہجراں دیکھ کر

آخر اب وہ کیا کریں تکمیلِ پامالی کے بعد
ٹوٹنے والے دل کے ذراتِ پریشاں دیکھ کر

اے جنوں تیری سبک دستی کی میں کیا داد دوں
ہو بہو دامن کو تصویرِ گریباں دیکھ کر

دل کو کیوں چھیڑا کہ بیتابی کی مدت بڑھ گئی
آپ کو نشتر چبھونا تھا رگِ جاں دیکھ کر

قیدِ ہستی ہی سے ندرت چھوٹنے والا ہوں میں
اب کرے میری نگہبانی نگہباں دیکھ کر

وہ میری طرف تیر تو پھینکیں گے مگر ایک
اے کاش کہ ہو جائیں مرے قلب و جگر ایک

یوں غیر پہ اور مجھ پہ ہے کیا اُن کی نظر ایک
سو جام اُدھر جاتے ہیں آتا ہے اِدھر ایک

ہو ناوکِ بیداد اِدھر ایک اُدھر ایک
یعنی مرے سینے میں ہو دل ایک جگر ایک

اُڑنے سے بھی مجبور تڑپنے سے بھی معذور
صیاد نے چھوڑا مرے بازو میں تو پر ایک

میت پہ وہ موجود ہیں اب اُن کا گلا کیا
اُن کو مرے مرنے ہی کی پہنچی ہے خبر ایک

آنسو مری آنکھوں سے کسی وقت تھمیں کیوں
قسمت میں نہیں خواب تو ہیں شام و سحر ایک

چاہیں گے نہ دیکھیں گے سوا تیرے کسی کو
اربابِ وفا رکھتے ہیں دل ایک نظر ایک

ہر ذرہ تری راہ کا ہے طالبِ تعظیم
سر سامنے کس کس کے جھکاؤں کہ ہو سر ایک

سو نالوں سے بھی دل کے نہ ہو تو متاثر
اور دل میں اُتر جائے تری ترچھی نظر ایک

دُنیائے جوانی کی تو اک شام ہوئی ختم
اب دیکھنی ہے عالمِ پیری کی سحر ایک

وابستہ ہے یوں درد ترا قلب و جگر سے
جس طرح کہ دو آنکھوں میں رہتی ہے نظر ایک

جو نام سے تُربت کے ہیں موسوم وہ میں نے
مر مر کے بنایا ہے تری راہ میں گھر ایک

دُنیا کے تو سب مرحلے طے ہو گئے ندرتؔ
باقی ہے بس اب منزلِ عقبیٰ کا سفر ایک

یہ جانِ مضطرب کب تک یہ جسمِ ناتواں کب تک
مجھے پیسیں گے پل پل کر زمین و آسماں کب تک

محبت میں تمناؤں کا بھی آخر امتحاں کب تک
نبا ہے ساتھ دل کا طاقتِ ضبطِ فغاں کب تک

مثالِ شمع منہ میں کام دے میری زباں کب تک
کہے جاؤں کسی سے سوزِ غم کی داستاں کب تک

یہ وحشت کیا قفس میں عمر ہی جب کاٹنی ٹھیری
نگاہوں میں مری پھرتا رہے گا آشیاں کب تک

قیامت تھی اُمید و بیم کی ہنگامہ آرائی
نہ ہوتا درہم و برہم نظامِ جسم و جاں کب تک

کسی کا در ہی ملتا ہے نہ تُربت ہی بلاتی ہے
رہے آوارہ و رسوا کوئی بے خانماں کب تک

بس اب نیرنگیٔ شام و سحر سے جی اُلجھتا ہے
نظر کھائے فریبِ انقلاباتِ جہاں کب تک

میسّر ہوگی یا رب رُوح کو کس دن سبکساری
رہے گا سر پہ ہستی کا یونہی بارِ گراں کب تک

تڑپنے کی تو کچھ عادت سی ہوتی جاتی ہے دل کو
یہ عالم ہے تو ندرتؔ لذّتِ دردِ نہاں کب تک

ہے محبت میں نہ آغاز نہ انجام سے کام
ہم کو لینا ہے فقط اِس دلِ خودکام سے کام

ہم کو مطلب نہ سحر سے ہے نہ ہی شام سے کام
دید ہو جس میں تری ہے اُسی ہنگام سے کام

دلِ ناکام نے ڈالا غم و آلام سے کام
بس ہو میرا تو نہ رکھوں دلِ ناکام سے کام

صدقہ تیری نگہ ہوش رُبا کے ساقی
واسطہ خم سے رہا ہم کو نہ کچھ جام سے کام

انقلابات سے ملتا تو ہے درسِ عبرت
کچھ نکلتا تو ہے نیرنگیٔ ایام سے کام

جذبۂ شوقِ اسیری کی کوئی حد ہی نہیں
تا بکے کوئی نکالے قفس و دام سے کام

اب لحد اُن کی گلی میں ہو کہ اُن کے در پر
ہم ہیں آرام طلب ہم ہیں آرام سے کام

میرے بس کا تو نہ تھا پاس کی دُنیا کا نظام
لے رہا ہوں میں بہت کچھ دلِ ناکام سے کام

وہ محبت میں مرا نام نہ پوچھیں ندرتؔ!
کام سے کام ہے یا اُن کو مرے نام سے کام

یہ کرشمے تیرے ہی اے شومیٔ تقدیر ہیں
ہے کماں اُن کی کشیدہ مجھ سے بر ہم تیر ہیں

دل کی تدبیریں ہی جب وابستۂ تقدیر ہیں
پھر تو یہ کہئے کہ ارماں خواب بے تعبیر ہیں

کھینچتے ہیں وہ مگر مجبور اُن کے تیر ہیں
دل سے باہر آئیں کیونکر زخم دامنگیر ہیں

دل کو ٹھنڈا کر دیا ایسے سکوں تاثیر ہیں
تم تو کہتے تھے کہ زہر آلود میرے تیر ہیں

اے تری قدرت حریمِ دل میں یوں پنہاں رہے
حُسن بھی وہ حُسن شعلے جس کے عالمگیر ہیں

مُجرمِ افشائے اُلفت کون ٹھیرا حشر میں
میں تو دامنگیر ہی تھا وہ گریباں گیر ہیں

کام دل میں کر رہی ہیں آپ ہی کی چٹکیاں
یہ مرے نالے نہیں ہیں آپ ہی کے تیر ہیں

پیش ہو گی کیا خدا کے سامنے فردِ گنہ
میرے اعمالِ سیہ ناقابلِ تحریر ہیں

جان لیکر ہی یہ کہہ دینا کہ دی زحمت ہمیں
جب تک اربابِ وفا زندہ ہیں بے تقصیر ہیں

نیستی مضمر مری ہستی کی بنیادوں میں تھی
یہ مری بربادیاں ہی حاصلِ تعمیر ہیں

آتشِ پنہاں ہے اے ناوک فگن آہن گداز
دل سے نکلیں گے سلامت کیس ہوا میں تیر ہیں

ہوگئیں اب اور آساں زندگی کی منزلیں
یوں بھی خوش افتادگانِ منزلِ تقدیر ہیں

مجھ سے اے ندرتؔ وہ کاش اک مرتبہ کچھ پوچھ لیں
میرے لب نا آشنائے لذتِ تقریر ہیں

پیکرِ غم ہیں کہ ہم اندوہ کی تصویر ہیں
ایک نقشِ پُرفریبِ خامۂ تقدیر ہیں

مُجرمِ اُلفت ہیں ہم ہاں قابلِ تعزیر ہیں
اُن کی نظروں میں تو ہیں مانا کہ بے توقیر ہیں

کام اُن آہوں سے کیا نکلے جو بے تاثیر ہیں
یہ تو تیر اے حضرتِ دل نام ہی کے تیر ہیں

ناوک اندازی میں قاتل کس قدر مشّاق ہو
تیر تھے ترکش میں جتنے اُتنے ہی نخچیر ہیں

سرنوشتِ دل کے معنی اب ذرا سمجھا ہوں میں
میرے آنسو حاصلِ گلکاریٔ تقدیر ہیں

اک گرفتارِ قفس کو موسمِ گل میں نہ چھیڑ
اے صبا اب یہ ترے جھونکے نہیں ہیں تیر ہیں

منتشر ذرّوں میں بھی ہے کچھ پریشانی کا رنگ
ٹوٹنے والے دل کی یہ بگڑی ہوئی تصویر ہیں

وہ ہیں جب محوِ تماشا پھر کہاں جاتے ہیں ہم
اُن کی نظروں میں ہیں جب تک قیدیٔ زنجیر ہیں

چل دیئے پاکر اشارا سخت جانوں کی طرف
جیسے تم ناداں ہو ایسے ہی سیدھے تیر ہیں

ہے نفس کی آمد و شد اور رگِ جانِ حزیں
زندگانی تابکے جب ہم تہِ شمشیر ہیں

ہوگیا رخصت شباب آثارِ پیری ہیں عیاں
حضرتِ ندرتؔ تو اب گرتی ہوئی تعمیر ہیں

سوگوارِ دلِ مرحوم ہوں رنجور ہوں میں
مجھ کو جی بھر کے تڑپنے دو کہ مجبور ہوں میں

ضبط کہتا ہے کہ نکلے نہ لہو کی کوئی بوند
قلب کہتا ہے کہ رِستا ہوا ناسور ہوں میں

کام تدبیر سے لینا تو مجھے آتا ہے
اپنی بگڑی ہوئی تقدیر سے مجبور رہوں میں

کچھ دمِ نزع بھی انفاس کی رفتار ہے تیز
مجھ کو معلوم ہے منزل سے ابھی دُور رہوں میں

کیا کہوں اب کہ خوشی سے ہے کہاں میرا دماغ
تم مرے پاس ہو۔ اس وقت بہت دُور رہوں میں

تم نے کیوں آ کے تصوّر میں مجھے چھیڑ دیا
اب اگر آہ نکل جائے تو مجبور رہوں میں

اب نہ چھیڑیں مجھے انفاس بھی آتے جاتے
جب سے دل ٹوٹ گیا ہے ہمہ تن چُور رہوں میں

گو اب اک نقشِ خیالی ہے مرا نقشِ وجود
واہمہ ہستی میں مگر قید بہ دستور رہوں میں

چارہ گر موت کے آثار مبارک ہیں مجھے
چہرہ پژمُردہ سہی دل میں تو مسرور رہوں میں

دیکھتا ہوں تمھیں گو طاقتِ نظّارہ نہیں
کیا کروں حسرتِ دیدار سے مجبور رہوں میں

کچھ بھی دُنیا میں نہیں میری حقیقت ندرت !
مجھ سے پوچھو تو فقط نام سے مشہور ہوں میں

غمِ اُلفت میں ہم آنکھوں کو کب نمناک رکھتے ہیں
ہمیشہ داغِ رُسوائی سے دامن پاک رکھتے ہیں

ترے وحشی بھی حال اپنا عجب غمناک رکھتے ہیں
جگر صد پارہ رکھتے ہیں تو دل صد چاک رکھتے ہیں

لحد میں دل مرا گھبرائے کیوں تکلیف ہی کیا ہے
مجھے اپنا سمجھ کر ذرّہ ہائے خاک رکھتے ہیں

ہے اک یہ بھی نوازش خارہائے دشتِ وحشت کی
کہ اب ہم زیبِ تن پیراہنِ صد چاک رکھتے ہیں

سبکساری ہماری ہم کو پہنچائے گی ساحل تک
قدم دریائے غم میں صورتِ خاشاک رکھتے ہیں

طوفانِ حوادث کیا مٹا کر ہم کو خوش ہوگا
ذخیرہ ہی ہم اپنا ایک مُشتِ خاک رکھتے ہیں

نکالی ہیں ترے ناوک کی خاطر کس قدر راہیں
کہ اک دل ہی مگر ہم اس میں لاکھوں چاک رکھتے ہیں

ہمیں محرومِ نظارہ رہیں اُن کا یہ مطلب ہے
ہماری ہی طرف وہ روئے آتشناک رکھتے ہیں
بہا جاتا ہے دل اشکوں میں لیکن اُف نہیں کرتے
ہمیں ایسا جگر اے دیدۂ نمناک رکھتے ہیں
جنونِ عشق میں ہم سے بھلا کیا قیس کو نسبت
وہ دامن چاک رکھتا تھا یہاں دل چاک رکھتے ہیں

ہزار آزادیاں قربان میری اس اسیری پر
کہ اے ندرت مجھے وہ بستۂ فتراک رکھتے ہیں

یہ رُتبہ ہم ترا اے دیدۂ پُرنم سمجھتے ہیں
تجھے سرچشمۂ فیضانِ جوشِ غم سمجھتے ہیں
سمجھنے کو تو وہ سب داستانِ غم سمجھتے ہیں
جو مطلب کہنے والے کا ہے اس کو کم سمجھتے ہیں
اسے سرمایہ عیشِ جاوداں کا ہم سمجھتے ہیں
وہ غم کی قدر کیا جانیں جو غم کو غم سمجھتے ہیں
ترے انداز کو کچھ اور ہی شے ہم سمجھتے ہیں
قیامت وہ سمجھتے ہیں جو کم سے کم سمجھتے ہیں
نصیبِ دشمناں جو گا ہے گا ہے ہوتی ہو حاصل
خوشی کو بھی ہم ایسی اک طرح کا غم سمجھتے ہیں
یہ سُننا اور سمجھنا ساری دُنیا سے نرالا ہے
فسانہ دل کا وہ سنتے ہیں مطلب ہم سمجھتے ہیں
زیادہ سے زیادہ بس فنا ہو جائیں گے اک دن
بس اتنی ہی یہاں تو کائناتِ غم سمجھتے ہیں
سکونِ دل کی دولت جان کی راحت کا سرمایہ
غرض جو کچھ سمجھتے ہیں تمہیں کو ہم سمجھتے ہیں
تمہارا حسن ہے اک دیکھنے کی چیز دُنیا میں
علاوہ اس کے جو کچھ ہے ہم اُس کو غم سمجھتے ہیں
اثر لیتے نہیں روداد غم سے حضرتِ ناصح
خدا معلوم کم سُنتے ہیں یہ یا کم سمجھتے ہیں

ہمیں تو صرف اس کے غم سے ہی مطلب ہے اے ندرت
ہم اس کے غم کو ہی سارے جہاں کا غم سمجھتے ہیں

ہو چکی حد اب زیادہ رنج سہنے کے نہیں
کیا کرو گے تم کہ ہم زندہ ہی رہنے کے نہیں

قطرہائے خونِ دل گو دل میں رہنے کے نہیں
پھر بھی آنکھوں ہی میں رہ جائینگے بہنے کے نہیں

وہ اگر ہم سے نہ پوچھیں گے ہمارا حالِ دل
ہم بھی اپنی بات کے پورے ہیں کہنے کے نہیں

حضرتِ دل کیا کریں گے فصلِ گل میں ضبطِ غم
زخم رِسنے کے نہیں؟ یا اشک بہنے کے نہیں؟

حالِ دل کہنا ہے آئینِ محبت میں گناہ
کوئی پُوچھے یا نہ پُوچھے ہم تو کہنے کے نہیں

اب خدا ہی جانے کیا ہو کر رہیں گے آنکھ میں
میرے وہ جلتے ہوئے آنسو جو بہنے کے نہیں

جانتے ہیں ہم کہ ہے رودادِ غم کلفت اثر
ساری دُنیا سے کہیں گے اُن سے کہنے کے نہیں

ہائے اُن آنکھوں سے جن پر میں نے اپنی جان دی
کیا مری میت پہ دو آنسو بھی بہنے کے نہیں

یُوں نہ نکلیں گے تو مٹ جائیں گے ندرت! ایک دن
دل میں جو ارمان آئے ہیں وہ رہنے کے نہیں

سکوں کیسا مری ہستی کے اجزائے پریشاں میں
چمن میں نکہتِ گل ہوں بگولا ہوں بیاباں میں

مزا ملتا رہا ہر عضوِ تن کو دردِ پنہاں میں
محبت نے عجب نشتر چبھویا تھا رگِ جاں میں

نمائش چند روزہ ہے بہارستانِ امکاں میں
یہی لکھا ہوا ہے گل کے اوراقِ پریشاں میں

ہجومِ آرزو ہر چند اک دھوکہ نظر کا ہے
مگر رہتی ہیں آنکھیں مبتلا سی خوابِ پریشاں میں

دمِ شکوہ یہی مطلب تو ہے اُن کے تبسم کا
کہ اس دفتر کو اب رکھ دو اُٹھا کر طاقِ نسیاں میں

فضا کیسی بدل دی چار تنکوں کی تباہی نے
نشیمن بھی مرا اک چیز تھا گویا گلستاں میں

جنوں کا ساز و ساماں بے نیازِ جیب و دامن ہے
ہزاروں خار پیوستہ ہیں میرے جسمِ عُریاں میں

تصور میں چلے آئے یہ تم نے کیا ستم ڈھایا
قیامت ہی بپا کر دی مرے جذباتِ پنہاں میں

شکل کر دل سے آہیں تو بہت کچھ پھیل سکتی ہیں
مگر رکا ہے وسعت فضائے شامِ ہجراں میں

بتاؤں کیا کہ کتنی مرتبہ توڑا ہے دل میرا
کسی بیدرد نے مشقِ شکستِ عہد و پیماں میں

جنوں کی شان کے شایاں ہے ندرتؔ کونسی دنیا؟
کہ میرا جی بہلتا ہے بیاباں میں نہ زنداں میں

بجا ہے میری بیتابی ہجومِ یاس و حرماں میں
تلاطم آشنا اک موج ہوں اور وہ بھی طوفاں میں

وہ گل جو حسن و خوبی کا مرقع تھا گلستاں میں
اب اک تصویرِ مجبوری کی ہو گلچیں کے داماں میں

ملاؤں خاک میں کیونکر کہ آنسو دل کے ٹکڑے ہیں
یہ رسوائی کا سرمایہ رہے گا میرے داماں میں

نظر خیرہ تکلم دم بخود ہوش و خرد حیراں
بتاؤں کیا کہ کیا دیکھا طلسم آبادِ امکاں میں

نگہباں کیوں گرفتارِ بلا ہیں میرے ساتھ آخر
مجھے زندہ ہی چن دیں ایک دن دیوارِ زنداں میں

مری فطرت ہے گم ہونا مری قسمت ہے مٹ جانا
اگر قطرہ ہوں دریا میں تو ذرہ ہوں بیاباں میں

سمجھ کر مجھ کو دیوانہ نہ پوچھے گا کوئی دل کی
رہے گا عشق کا پردہ اسی چاکِ گریباں میں

سیہ بختی کا میری عکس ہے پرتو ہے داغوں کا
سوادِ شامِ ہجراں میں بیاضِ صبحِ خنداں میں

جنوں کرتا ہے کس پہ آزمائش تیز دستی کی
سکت میرے گریباں میں نہ بوتا میرے داماں میں

مرا سایہ بھی ہے اک غمگسارِ عالمِ وحشت
مرے ہمدم سمجھتے ہیں کہ میں تنہا ہوں زنداں میں

مذاقِ عشق اے ندرتؔ یہ کہتا ہے مرے دل سے
مزا ہے کاوشِ مخفی میں لذت دردِ پنہاں میں

جگر بیتاب، دل بے چین، مضطر جان رکھتے ہیں
ہم اپنے اک تن خاکی میں سو طوفان رکھتے ہیں

حقیقت آشنا ہیں ہم بڑی پہچان رکھتے ہیں
حسینوں پر نظر اللہ پر ایمان رکھتے ہیں

کسی کے تیر کو ہم اس لئے مہمان رکھتے ہیں
کہ دل غم کوش رکھتے ہیں ستم کش جان رکھتے ہیں

ہمیں مرنا ہے تم پہ اس لئے ہم جان رکھتے ہیں
تصدق جس پہ لاکھ ارمان وہ ارمان رکھتے ہیں

کبھی طوق و سلاسل کہنہ ہونے ہی نہیں پاتے
ہمیشہ تیرے سودائی نیا سامان رکھتے ہیں

تصور میں وہ آتے ہیں تو کچھ احسان ہے مجھ پہ
دکھا کر اک جھلک پہروں مجھے حیران رکھتے ہیں

نہیں وہ مہرباں ہم پر تو ہم بھی در سے کیوں اُٹھیں
اگر وہ شان رکھتے ہیں تو ہم بھی آن رکھتے ہیں

ہمارے قتل پر اُن کا کوئی انداز تو دیکھے
چھری گردن پہ کیا رکھتے ہیں اک احسان رکھتے ہیں

تم اپنے وحشیوں کو بے سر و ساماں سمجھتے ہو
بڑا سامان رکھتے ہیں اگر اک جان رکھتے ہیں

زمانے بھر کے طعنے ہم کو خاموشی سے سُن لینا
نہیں رکھتے لب فریاد لیکن کان رکھتے ہیں

ستم ہوں ہم پہ ہم اُف بھی نہ کرنے پائیں، ناممکن
جو دل رکھتا ہے وہ ظالم تو ہم بھی جان رکھتے ہیں

فضا ہی حشر کی گویا بدل دی بے نقاب آکر
وہ دُنیا بھر کے قاتل ہیں مگر اوسان رکھتے ہیں

مقدر ہے یہی تو ہو چکی تسکین اے ندرت
تڑپتے ہی رہیں گے ہم تو جب تک جان رکھتے ہیں

پہلے ہی زیست سے برداشتہ خاطر ہوں میں
وہ مرے قتل کو آتے ہیں تو حاضر ہوں میں

اس میں حُسنِ نظر افروز خطاوار نہیں
میری تقدیر کہ دیدار سے قاصر ہوں میں

یہ شبِ گور ہے اے صورتِ قیامت خاموش
کچھ تو سو لوں کہ تھکا ماندہ مسافر ہوں میں

چارہ گر ہی کو مرے درد کا احساس نہیں
وہ تو اُٹھ اُٹھ کے یہ کہتا ہے کہ ظاہر ہوں میں

شرط ہے سنگِ درِ دوست کا ملنا اِک بار
پھر یہ سر سجدہ سے اُٹھ جائے تو کافر ہوں میں

قلزمِ عالمِ ایجاد میں مانندِ حباب
ایک بازیچۂ امواجِ عناصر ہوں میں

وہ ہیں بیزار جو مجھ سے تو پھر ایسا ہو جائے
سامنے اُن کے رہوں اور نہ ظاہر ہوں میں

میرا مقصود نہ پوچھو صفتِ اشکِ رواں
جس کی منزل ہی فنا ہو وہ مسافر ہوں میں

ہائے اس بزم میں پھر بھی مری پرسش نہ ہوئی
آپ اُٹھ اُٹھ کے کہا میں نے کہ حاضر ہوں میں

زیست ہو موت ہو اُمید ہو ناکامی ہو
الغرض ہر حال میں تقدیر پہ شاکر ہوں میں

نوحہ خوانِ دلِ مرحوم ہوں میں اے ندرت
مجھ کو دُنیا یہ سمجھتی ہے کہ شاعر ہوں میں

یہ چارہ گر جو مرے آس پاس بیٹھے ہیں
میں ان کو دیکھ رہا ہوں اداس بیٹھے ہیں

نقاب اُٹھائے ہوئے وہ تو پاس بیٹھے ہیں
خدا کی شان ہمیں بدحواس بیٹھے ہیں

اُدھر وہ غیر ہیں جو اُن کے پاس بیٹھے ہیں
اِدھر یہ ہم ہیں جو تنہا اداس بیٹھے ہیں

حرم میں دیر میں ہیں سر بسجدہ اہلِ مجاز
تمہارے در پہ حقیقت شناس بیٹھے ہیں

کسی کے سامنے یارائے عرضِ حال کہاں
کہ ہم بنے ہوئے تصویرِ یاس بیٹھے ہیں

تمہارے در کے گدا بھی ہیں کتنے دل کے غنی
لٹا کے دولتِ ہوش و حواس بیٹھے ہیں

پڑے تھے جو تپِ غم سے وہ آبلے دل کے
بجھا کے خنجرِ قاتل کی پیاس بیٹھے ہیں

شریکِ بزم مرا حق شناس بھی ہے کوئی
کہ نام ہی کے یہ صورت شناس بیٹھے ہیں

جو میرے سایہ سے بھی زندگی میں دور رہے
وہ آج میرے جنازے کے پاس بیٹھے ہیں

کبھی تو زیست کا پیغام بن کے آ جاؤ
کہ ہم لگائے ہوئے تم سے آس بیٹھے ہیں

وہ شاید آئیں گے سیرِ بہار کو ندرتؔ !
پہن کے پھول جو زرّیں لباس بیٹھے ہیں

تم ستم ڈھایا کرو جی سے گزرنے کے نہیں
ہم کو مرنا ہے مگر ہم یونہی تو مرنے کے نہیں

دل سنبھلنے کا نہیں آنسو ٹھہرنے کے نہیں
تم نے وہ ناسور ڈالے ہیں جو بھرنے کے نہیں

جان پہ بن جائے گی ہم پھر بھی مرنے کے نہیں
جس سے مشکل سہل ہو وہ کام کرنے کے نہیں

تم دمِ گریہ نہ رکھ دینا کہیں آنکھوں پہ ہاتھ
زندگی بھر پھر مرے آنسو ٹھہرنے کے نہیں

تم سے رکھے جان دیگر بھی توقع کیا کوئی
تم تو تربت کی طرف سے بھی گزرنے کے نہیں

کیا چھپاتے شیخ سے عشقِ بتاں کے جرم کو
سامنے اللہ کے بھی ہم مُکرنے کے نہیں

اور کیا ہونا ہے روداد محبّت کا مآل
میں سُنائے جاؤں گا تم کان دھرنے کے نہیں

ہائے میرے بعد بھی مصروفِ آرائش ہو تم
یہ تو دن ماتم کے ہیں بننے سنورنے کے نہیں

زندگی عشق کے گو چند لمحے ہیں مگر
وہ بھی اے ندرتؔ بآسانی گزرنے کے نہیں

ممنونِ ضبط دیدۂ پُر نم ہوا نہ ہو
طوفانِ غم کا جوش کبھی کم ہوا نہ ہو

غم کا فسانہ اُس کو سنانے سے فائدہ
جو غم سے نابلد ہو جسے غم ہوا نہ ہو

یہ ٹھوکریں ہیں منزلِ مقصود کا نشاں
دل شاکیِ حوادثِ عالم ہوا نہ ہو

جس پہ کرم تری نگہِ خوں چکاں کا ہو
وہ زخم رہنِ منتِ مرہم ہوا نہ ہو

اے کاش اپنی بزم میں وہ بھی منائیں سوگ
غمِ دل کا اس جگہ ہو جہاں غم ہوا نہ ہو

تاثیرِ داستانِ محبت سے تو سہی
میرا ہی سا جو تیرا بھی عالم ہوا نہ ہو

اُلفت میں موت جان سے ہوتی تو ہے عزیز
اس راز کا مگر کوئی محرم ہوا نہ ہو

چونکا ہوں یہ سمجھ کے میں آوازِ صور سے
برہم کہیں وہ فتنۂ عالم ہوا نہ ہو

مرنے کے بعد رُوح کو شاید اماں ملے
دُنیا میں ختم سلسلۂ غم ہوا نہ ہو

تسکین دائمی کا ہے سرمایہ عشق میں
ندرت! وہ دردِ دل جو کبھی کم ہوا نہ ہو

عنایت تیری بے ترتیب اے برقِ تپاں کیوں ہو
چمن میں مجھ سے پہلے خاک میرا آشیاں کیوں ہو

ہمارا قتل اُن کے دستِ بازو پہ گراں کیوں ہو
ہمارے امتحاں کے ساتھ اُن کا امتحاں کیوں ہو

چمن میں بھی تو کافی ہے مرا بے بال و پر رہنا
قفس کی قید ہی تعبیرِ خوابِ آشیاں کیوں ہو

فغاں کرنے ہی کو تھا دل کہ آ پہنچی اجل سر پہ
خدا رکھے بھرم جس کا وہ رُسوائے جہاں کیوں ہو

فنا یوں تو بقا کے رنگ میں تبدیل ہوتی ہے
مٹاؤ تم نشاں جس کا وہ بے نام و نشاں کیوں ہو

ہوا چھیڑے تو گر جائے ہنسے بجلی تو پھک جائے
غلط اتنی بھی ترکیبِ بنائے آشیاں کیوں ہو

بگڑ جائے ابھی کیوں کھیل طوفانِ حوادث کا
ابھی سے غرقِ دریا کشتیِ عمرِ رواں کیوں ہو

ٹھکانا ہے چمن میں ڈالی ڈالی پتہ پتہ پہ
خدا دے بال و پر تو احتیاجِ آشیاں کیوں ہو

گرے جاتے ہیں میری خاک کے ذرے بھی اُڑ اُڑ کر
جسے پھینکے زمیں اس کا خریدار آسماں کیوں ہو

تغافل نے تمھارے کر دیا ہے اِس قدر خودسر
جو تم چاہو تو دِل کو جراتِ آہ و فغاں کیوں ہو

ملی ہے آج مجھ کو ضبطِ غم کی داد اے ندرت!
وہ ہنس کر مجھ سے کہتے ہیں تم ایسے بے زباں کیوں ہو

حیاتِ عشق میں پابندیِ ضبطِ فغاں کیوں ہو
جسے اللہ دے حساس دل وہ بے زباں کیوں ہو

بلندی آشنا کو تہ نصیبوں کی فغاں کیوں ہو
زمینِ دل کی چنگاری محیطِ آسماں کیوں ہو

پیامِ زندگی ہیں یہ ادائیں دستِ نازک کی
تمھارے نیم کش تیروں سے کوئی نیم جاں کیوں ہو

رقابت ایک شیوہ ہی سہی اہلِ محبت کا
مگر تیری نظر میں امتیازِ این و آں کیوں ہو

قفس ہی میں لگائے تنکے میرے آشیانے کے
ارے صیاد یہ برسوں کی محنت رائگاں کیوں ہو

میں کہتا ہوں دمِ آخر وہ آجائیں تو اچھا ہے
وہ کہتے ہیں ابھی رفعِ نزاعِ جسم و جاں کیوں ہو

لڑکپن کی جوانی کی۔ بوڑھاپے کی حدیں کیسی
سفر عمرِ رواں کا کارواں در کارواں کیوں ہو

قلم جس کی لگائی جائے گی صیاد کے گھر میں
وہ اے اہلِ چمن میری ہی شاخِ آشیاں کیوں ہو

جہاں بجلی گری ہو کاش اک چھینٹا بھی پڑ جائے
کہ مثلِ آشیاں برباد خاکِ آشیاں کیوں ہو

تقاضا شوقِ دل کا ہے کہ یا منزل ہو یا میں ہوں
یہ دیوارِ غبارِ کارواں بھی درمیاں کیوں ہو

نظر آتا نہیں انجامِ غفلت ہی ہمیں ندرت!
جو آنکھیں ہوں تو یہ بدمستیٔ خوابِ گراں کیوں ہو

خون میں شامل ہمارا سوزِ پنہانی نہ ہو
خشک اے قاتل تری تلوار کا پانی نہ ہو

مجھ سے کہتے ہیں کہ رکھنا نزع میں بھی ہم کو یاد
مدعا یہ ہے کہ مرنے میں بھی آسانی نہ ہو

تشنہ کامی کی شکایت پر یہ ہو اُن کا جواب
تجھ کو لے جا کر وہاں مارے جہاں پانی نہ ہو

جامۂ ہستی کی جب تک اُڑ نہ جائیں دھجّیاں
وحشیوں کا تیرے پُورا شوقِ عُریانی نہ ہو

سجدہ ہی کرتے ہیں ہم تو نقشِ پائے دوست کو
دُور سے دیکھے اُسے وہ جس کی پیشانی نہ ہو

ہم لحد ہی میں نہ اک دن چین لیں اے آسماں
خانہ آبادی مآلِ خانہ ویرانی نہ ہو

ندرتؔ! اُن کا حُسن تو دُنیا میں ٹھیرے لاجواب
کیا تماشا ہے کہ میرا عشق لاثانی نہ ہو

دریافت کچھ نہ کر مرے زخمِ جگر سے تو
آئینہ رکھ کے پوچھ لے اپنی نظر سے تو

ہے حوصلہ بلند تو یہ قید تا بکے
بے دل نہ ہو شکستگیٔ بال و پر سے تو

دل کو بچا سکوں گا نہ تیری نظر سے میں
خود کو چھپا سکے گا نہ میری نظر سے تو

میں نے کبھی حشر ہی نہ اُٹھایا تو بات کیا
مجھ کو ذرا اُٹھا تو سہی اپنے در سے تو

نا قابلِ لحاظ ہے مجبور کا قصور
برہم نہ ہو شکایتِ دردِ جگر سے تو

اب دیکھنے کی بات تو یہ ہے دمِ اخیر
اس وقت دیکھتا ہے مجھے کس نظر سے تو

دُنیا میں جس پہ ناز تھا محشر کے روز بھی
آیا نہ باندھ کر وہی خنجر کمر سے تو

دے آسماں اماں نہ اُسے دے زمیں پناہ
مشکل ہے اُس کی جس کو گرائے نظر سے تو

آخر ہجومِ شوق میں اے پاس تیرا کام
اِس بھیڑ بھاڑ میں نکل آئی کدھر سے تو

سو بار دیکھ کر بھی تقاضا نہ جائے گا
واقف نہیں ابھی مرے ذوقِ نظر سے تو

ہیں اور بزمِ غیر میں یُوں دم بخود رہوں
یہ کام لے رہا ہے تو اپنے اثر سے تو

پھاہا ہے چارہ گر ترے مرہم کا بدنما | دھونے سے یہ داغ دامن زخم جگر سے تو

ندرت! بجا رہیں گے نہ اُن کی گلی میں ہوش
واقف بھی ہے وہاں کی ہوا کے اثر سے تو

اب غم سے کچھ ملال نہ راحت خوشی سے کچھ
سُننا کسی کی بات نہ کہنا کسی سے کچھ
کہنے کو آج بیٹھے تو ہیں ہم بھی جی سے کچھ
اب وہ تڑپ بھی دل کی نہیں۔ یا الٰہی خیر
یا زندگی ہی کام کی ہم کو ملی نہ تھی
اظہارِ مدعا کا یہاں کس کو ہوش تھا
ہے غم جہاں میں باعث دلبستگی مجھے
موقع ملے گا حشر میں۔ فریاد کا ہمیں
خون گشتہ دل کا مجھ کو منانا ہے سوگ بھی
کھویا گیا ہے تیر جو اُن کا تو اس لئے

اُکتا گیا ہے جی ہی مرا زندگی سے کچھ
اک قسم کا سکون تو ہے بیخودی سے کچھ
سُن لیں جو وہ بھی غم کا فسانہ خوشی سے کچھ
اشکوں میں آ رہا ہے لہو بھی کمی سے کچھ
یا کام ہی لیا نہ گیا زندگی سے کچھ
وہ خود سمجھ گئے ہیں مری بیخودی سے کچھ
یونتو بری اجل بھی نہ تھی زندگی سے کچھ
تیور کسی کے بگڑے ہوئے ہیں ابھی سے کچھ
لینا ہے اور کام ابھی زندگی سے کچھ
وہ بدگماں ہیں زخم جگر کی ہنسی سے کچھ

ندرت! دلِ حزیں کا تو شیوہ ہے اضطراب
کہنے کی بات ہو تو کہیں بھی کسی سے کچھ

موت برحق ہے تو پھر زیست کا رونا کیا ہے | جب نہ ہونا ہی ہے انجام تو ہونا کیا ہے
سامنے اُن کے جو روئے۔ بھی تو ہونا کیا ہے | اپنی تقدیر کا رونا ہے یہ رونا کیا ہے

یہ تو ممکن ہے کہ ہو خواب میں اُن کا دیدار
میری آنکھیں تو نہیں جانتیں سونا کیا ہے

اپنی بدنامی کے ساتھ اُن کو بھی رُسوا کرنا
اور اے حضرتِ دل آپ سے ہونا کیا ہے

آبدیدہ مری میّت پہ نہ وہ رنجیدہ
یہ کس انداز کا ماتم ہے یہ رونا کیا ہے

زندگی نقشِ غلط ہستیٔ انساں موہوم
اس کے معنی ہیں جو ہونا تو نہ ہونا کیا ہے

ماتمِ رونقِ محفل کی تو تمہید نہیں
ہم کو اے شمع بتا دے کہ یہ رونا کیا ہے

کھوئے جاتے ہم اگر آپ تو کچھ بات بھی تھی
دل تری راہ میں کھو آئے تو کھونا کیا ہے

لطف رونے کا تو جب ہے کہ کوئی سامنے ہو
آپ ہی آپ اگر روئے تو رونا کیا ہے

زندگی کی ہے توقّع نہ اجل کی اُمید
یا الٰہی مری تقدیر میں ہونا کیا ہے

ہے اِن آنکھوں میں اگر اشکِ ندامت قدرتؔ!
پھر بھلا نامۂ اعمال کا دھونا کیا ہے

جس کو دیکھا تھا کبھی وہ آنکھ سے پوشیدہ ہے
اب نظر بھی میری میرے حق میں خارِ دیدہ ہے

دامنِ مژگاں تر میں اس لئے پوشیدہ ہے
اشکِ خوں لختِ جگر ہے خانہ زادِ دیدہ ہے

اِک وہ کافر ہے کہ سب کی آنکھ سے پوشیدہ ہے
اِک یہ دُنیا ہے کہ اُس کی عاشقِ نادیدہ ہے

میرے دم کے ساتھ رسمِ ناز برداری گئی
وہ مری بزمِ عزا میں اس لئے رنجیدہ ہے

ہے نفس کی کش مکش سے چاک ہو جانے کا خوف
جامۂ ہستی ہمارا کس قدر بوسیدہ ہے

میرے دامن ہی کو کچھ معلوم ہے اشکوں کی قدر
میرا دامن ہی فقط جوہر شناسِ دیدہ ہے

زندگی دشوار۔ مرنا شانِ ہمت کے خلاف
عاشقی کا مسئلہ بھی کس قدر پیچیدہ ہے

حُسن نے دونوں کو رکھا اس لئے محرومِ لطف
آنکھ حیرت زارِ ناکامی ہے دل غم دیدہ ہے

اک طرف جو بزم میں بیٹھا ہے دیکھو تو اُسے
وہ کوئی مہمانِ ناخواندہ ہے یا طلبیدہ ہے

آفریں مجھ پر کہ آنکھوں میں لئے بیٹھا ہوں میں
ورنہ اک اک اشکِ شور آلود خارِ دیدہ ہے

چھیڑتا ہے کون دل کا ذکر اُن کے سامنے
آنکھ کیوں جھینپی ہوئی ہے کیوں نظر دزدیدہ ہے

دیکھ کر جانا ذرا گورِ غریباں کی طرف
اس زمیں کا ذرّہ ذرّہ فتنۂ خوابیدہ ہے

اک جھلک نے حُسن کی ڈالا یہ کیسا تفرقہ
دیدہ ہے دل کا مخالف. دل حریفِ دیدہ ہے

ہستیٔ موہوم کی دُنیا میں اک زندہ مثال
ہے اگر ندرتؔ! تو یہ میرا تنِ کاہیدہ ہے

وہ جفا پر یونہی نازاں رہے مغرور رہے
یا الٰہی مرے نالوں سے اثر دُور رہے

دید حاصل نہ ہوئی رُعب سے مجبور رہے
رہ کے نزدیک بھی ہم اُن سے بہت دُور رہے

کیا بتائے وہ بھلا لذّتِ آزادیٔ رُوح
چار دیوارِ عناصر میں جو محصور رہے

میں بتاؤں جگر و دل کی حقیقت کیا خوب؟
دونو جانب مرے سینے میں تو ناسُور رہے

اُن سے اُفتادگیٔ بخت نے ملنے نہ دیا
مثلِ سایہ رہے ہم ساتھ مگر دُور رہے

ہائے صیّاد نے پر بستہ ہی رکھا ہم کو
قید میں ہم تو تڑپنے سے بھی معذور رہے

نامُرادوں کا دمِ سرد بُرا ہوتا ہے
برق سے کہہ دو نشیمن سے مرے دُور رہے

دیکھنے کا تو مزا جب ہے جنابِ موسیٰ!
دل کے پردے میں نہاں جلوۂ صد طُور رہے

کیا یہی ہوتا ہے اے ضبطِ محبّت انصاف
دل کا دل ہی میں مرا نالۂ مجبور رہے

سر اُٹھانے کا ترے در سے کسے ہوش رہا
نشۂ بادۂ تسلیم میں ہم چُور رہے

تھا جو قاتل کا ہمیں پاسِ ادب اے ندرتؔ
ہم تڑپنے سے تہِ تیغ بھی مجبور رہے

لہو ہو کر جو اِن آنکھوں سے اُن کے روبرو نکلے
وہی دو چار آنسو کائناتِ آرزو نکلے

یہ سچ ہے عشق میں ہم بے نیازِ گفتگو نکلے
مگر تم بھی بڑے معنی شناسِ آرزو نکلے

ترازو دل میں ہو تیرِ ادا دل سے لہو نکلے
وفا کے رنگ میں ڈوبی ہوئی یوں آرزو نکلے

ترے نشتر کا بھی کیا حوصلہ اے چارہ جُو نکلے
لہو ہی جب نہ ہو پھر کیا رگِ دل سے لہو نکلے

بجائے آرزو اے دل مرے پہلو سے تُو نکلے
اگر نکلے تو یہ تعبیرِ خوابِ آرزو نکلے

غمِ دنیا کی رودادِ کہن سب یاد ہے ہم کو
بس اِس کے منتظر ہیں حشر میں کچھ گفتگو نکلے

قفس میں میرے تڑپانے کو پھر فصلِ بہار آئی
وہی پھر بال و پر کمبخت پینے کو لہو نکلے

تہِ خنجر یہ کیسی کشمکش ہے اے گرانجانی
نہ اُن کا مدعا نکلے نہ میری آرزو نکلے

ہوا باندھیں گے بازارِ جہاں میں لالہ و گل بھی
زمیں سے قرض لے لے کر متاعِ رنگ و بُو نکلے

حیات و موت کی اِک کشمکش میں پھنس گیا ہے دل
خدا ہی جانے کیا انجامِ کارِ آرزو نکلے

ہمیں ہو جائیں گم یا راستہ مل جائے منزل کا
غرض جو کچھ نکلنا ہو مآلِ جستجو نکلے

نظر اُٹھنا جہاں آدابِ محفل کے منافی ہو
وہاں کیا مدعائے دیدۂ نظارہ جو نکلے

حیاتِ پُر سکوں اُلفت میں ندرتؔ مر کے ملتی ہے
یہ جانِ مضطرب نکلے تو دل کی آرزو نکلے

اک سخت جاں کے حلق پہ شمشیر کیا کرے
تقدیر ہی بُری ہو تو تدبیر کیا کرے

ہر ذرّہ ہے جہانِ محبت کا حشر خیز
اس سرزمیں پہ گھر کوئی تعمیر کیا کرے

ہوں نامرادیاں ہی سبب جسکی زیست کا
وہ غم نصیب شکوۂ تقدیر کیا کرے

ایذا پسند دل کی طلب حد سے بڑھ گئی
اب درد کیا کرے خلش تیر کیا کرے

نکلی جو دل سے سینہ ہی میں گھٹ کے رہ گئی
ہو آہ کا یہ حال تو تاثیر کیا کرے

خود بھر لئے لرزتے ہوئے ہاتھ خون میں
قاتل ہی مضطرب ہو تو شمشیر کیا کرے

تم تو جھلک دکھا کے نگاہوں سے چھپ گئے
جو دل میں کھنچ گئی ہے وہ تصویر کیا کرے

منزل ہی جب ہو سرحدِ ہستی سے اُس طرف
رستے میں مر نہ جائے تو رہ گیر کیا کرے

ندرت! اُمیدِ عفو بھی جب دل کے ساتھ ہو
پھر یہ ہجومِ جذبۂ تقصیر کیا کرے

صرف عاشق کی نظر کا امتحاں مقصود ہے
ورنہ اس کو تو جہاں دیکھو وہیں موجود ہے

کامیابی کی توقع عشق میں بے سود ہے
حسرتیں لا انتہا ہیں زندگی محدود ہے

سمجھو آئینہ جو یہ چشمِ حجاب آلود ہے
آپ ہی تک کیا نظر بھی آپ کی محدود ہے

چلتے چلتے راہِ اُلفت میں جہاں مٹ جائینگے
بس وہی اہلِ وفا کی منزلِ مقصود ہے

یہ رگوں کی بند ہیں یہ سلسلہ انفاس کا
جسمِ انساں بھی عجب قدرت کا تار و پود ہے

اک اشارہ ہے مری آنکھوں کا چھپنا وقتِ مرگ
اب سمجھ لیں سب کہ باب زندگی مسدود ہے

جل رہا ہے دل مگر ہم آہ بھی کرتے نہیں
یہ غمِ پنہاں ہمارا آتش بے دود ہے

جادۂ تسلیم ہے باہر قدم ہو کیا مجال
جانتا ہوں میں کہ رستہ عشق کا محدود ہے

بعد میرے مردِ میدانِ وفا کوئی نہ تھا
آج تک وہ تیغ خوں آلود زنگ آلود ہے

وسعت آبادِ دو عالم ہے تجلّی گاہِ دوست
حضرتِ موسیٰ! نظر ہی آپ کی محدود ہے

خاک کی شرکت سے پہلے حق نما تھی میری ذات
اب مرا آئینۂ ہستی غبار آلود ہے

ابتدائے عشق میں ہی شعلۂ بیتاب تھا
ابتو دل سوزِ محبت سے سراپا دود ہے

جانے والوں کا اسی رستے سے ہوتا ہے گذر
قبر کیا ہے اک نشانِ منزلِ مقصود ہے

اک ہجومِ ناامیدی ہے مریضِ غم کے گرد
اب اجل بھی آئے کیونکر راستہ مسدود ہے

بسکہ ہے رگ رگ میں ندرت! موجزن سوز و گداز
نالۂ موزوں ہمارا نغمۂ داؤد ہے

تیرے دیدار کی یہ شکل نکالی میں نے
دل پہ کھینچی تری تصویرِ خیالی میں نے

جی نہ چھوڑا کبھی اے ہمتِ عالی میں نے
جو پڑی مجھ پہ مصیبت وہ اُٹھا لی میں نے

نہ فغاں کی نہ کبھی آہ نکالی میں نے
غم کو کیا ضبط کیا دم پہ بنا لی میں نے

بیقراری مری فطرت کا کہیں جُز تو نہیں
دل کو دیکھا نہ کبھی درد سے خالی میں نے

ذائقہ موت کا ہر سانس میں آتا ہے مجھے
زندگی پائی زمانے سے نرالی میں نے

اب مری آنکھیں ہیں اور منظرِ ویرانیِ دل
کیوں بسائی تھی یہ دُنیائے خیالی میں نے

حال پہ اپنے مجھے خود یہ خیال آتا ہے
کیا ہوا مجھ کو یہ کیا شکل بنا لی میں نے

تاکہ تازہ رہے ہر وقت تری تیغ کی یاد
دل سے مٹنے نہ دیا زخمِ ہلالی میں نے

سچ ہے ناکامیِ قسمت کا نہیں کوئی علاج — آہ کرکے بھی ہوسِ دل کی مٹالی ہیں نے
کھو دیئے شوقِ رہائی میں تڑپ کر پر و بال — خود سجود قید کی میعاد بڑھالی ہیں نے

اب تو ندرت اوہ بتادیں کہ کہاں ملتے ہیں
کعبۂ و دیر کی بھی خاک اوڑالی ہیں نے

سب نقش غلط آرزوئے خام کے نکلے — معنی عجب اس ہستیِ ناکام کے نکلے
ارماں نہ کبھی اس دلِ ناکام کے نکلے — نالے بھی جو نکلے تو فقط نام کے نکلے
آنکھوں سے جدا ہونا ہے ہر شے کا قیامت — آنسو بھی تو دامانِ مژہ تھام کے نکلے
یہ یادِ بہاری کے شگوفے ہیں چمن میں — دَورا اُڑنے لگا جام کا پُرجام کے نکلے
کہنے کو تو نکلے تھے مری آنکھ سے آنسو — دیکھا تو وہ ٹکڑے دلِ ناکام کے نکلے
نکلے ہیں جو ہمراہ لئے جانِ حزیں کو — مَر مَر کے یہ دو سانس مرے کام کے نکلے
بیتابیِ فرقت میں اُنھیں یاد کیا خوب — تکلیف میں پہلو بہت آرام کے نکلے
اِک ہچکی کا آنا تھا کہ دُنیا سے سدھارے — ہم منتظر اس آخری پیغام کے نکلے
دیکھا کئے رونا ترا اے دیدۂ بے خواب — تارے بھی سحر تک نہ چھپے شام کے نکلے
ناوک کے لئے خود ہی نشانا بھی بتایا — ہم سامنے سے اُن کے جگر تھام کے نکلے
دُنیا میں ہوا کوئی نہ ہو زندۂ جاوید — بندے تو سبھی اس ہوسِ خام کے نکلے
بہتے رہے اشکوں ہی میں ملکر جگر و دل — دونوں اسی مصرف کے اِسی کام کے نکلے
ٹھیرے نہ جگر میں نہ مرے دل میں ترے تیر — نکلے تری چٹکی سے تو کس کام کے نکلے

یہ عالمِ اجسام یہ غم ہائے مُسلسل
ندرت! امتزاوف قفس و دام کے نکلے

ہم تو وابستۂ آلام رہے یا نہ رہے
آپ بھی موردِ الزام رہے یا نہ رہے

شوقِ دیدار میں ناکام رہے یا نہ رہے
منتظر ہم سحر و شام رہے یا نہ رہے

جب ہمیں اُن کو نہ دیکھا تو ہمیں کیا اُمید
حشر بھی جلوہ گہِ عام رہے یا نہ رہے

ہم تو تڑپے تھے تہِ تیغ بہت دیر مگر
آپ بھی لرزہ براندام رہے یا نہ رہے

اُن کو رونا نہیں بھاتا تو بتا دیں وہ مجھے
شغل بھی کچھ سحر و شام رہے یا نہ رہے

جب تڑپنا ہی ہے پھر مجھ کو غرض کیا صیّاد
میں رہوں یا نہ رہوں دام رہے یا نہ رہے

چارہ سازوں کو تو مطلب ہے دوا دینے سے
زندہ اِک خوگرِ آلام رہے یا نہ رہے

حُسن کو شوق نہیں عشق کی رُسوائی کا
خود سمجھو ہی کوئی بدنام رہے یا نہ رہے

آپ اِک بار ہم آغوشِ تمنّا ہو جائیں
پھر بغل میں دلِ خود کام رہے یا نہ رہے

بڑھ گئیں میری نگاہیں تو خدا ہی جانے
دستِ ساقی میں بھی پھر جام رہے یا نہ رہے

پہلے دل دینے سے کچھ عرضِ تمنّا کر لوں
پھر اُنھیں مجھ سے کوئی کام رہے یا نہ رہے

اُن کی چٹکی ہی سے جب تیر نہ چھوٹے ندرت!
مضطرب یہ دلِ ناکام رہے یا نہ رہے

بیدادِ ناروا کی شکایت روا تو ہے
اے دل مگر خلافِ شعارِ وفا تو ہے

عاصی ہیں مغفرت کا مگر آسرا تو ہے
گو ہم نہیں خدا کے ہمارا خدا تو ہے

دیکھا ہے اُن کو اُن کی شکایت بجا تو ہے
ہم نے خطا تو کی ہے ہماری خطا تو ہے

دل عاشقی سے پہلے کسی کام کا نہ تھا
اب کچھ دنوں سے برسرِ کارِ وفا تو ہے

مرنے کی آرزو سے محبت میں فائدہ
اس زندگی میں موت کا بھی کچھ مزا تو ہے

او مرنے والے اُٹھ کہ وہ آئے ہیں قبر پہ
اب انتظار کیا ہے؟ قیامت بپا تو ہے

کھو دیتے ہو تم ایک ہی جلوے میں عقل و ہوش
دیکھا نہیں نگاہ سے لیکن سُنا تو ہے

دادِ وفا یہاں نہ سہی حشر میں سہی
دُنیا نہیں ہماری ہمارا خدا تو ہے

دل کی خرابیوں کا سبب حُسن ہو کہ عشق
اِن دونوں میں کسی نہ کسی کی خطا تو ہے

طُوفانِ اشکِ غم نہ فرو ہو خدا کی شان
ہر ابتدا کی ورنہ کوئی انتہا تو ہے

مرہم اگر نہیں ہے تو خنجر ہی کھینچ لے
زخمِ جگر کی ہاتھ میں تیرے دوا تو ہے

لطفِ بہارِ زیست سے محروم کیوں رہیں
انجام کچھ بھی ہو کوئی دن کی ہوا تو ہے

چھُپتا ہے شوقِ دید بڑھانے کے واسطے
پردہ نشیں سہی وہ مگر خود نما تو ہے

غم کا فسانہ کہنے کو دلچسپ ہے ضرور
پھر بھی کچھ اس میں اُن کے ستم کا گلا تو ہے

وہ کہہ رہی ہیں رکھ کے دلِ مضطرب پہ ہاتھ
کچھ کچھ یہ بیقرار قرار آشنا تو ہے

سمجھیں نہ سمجھیں وہ یہ رہا اب مرا نصیب
حسرت بھری نظر نے کچھ اُن سے کہا تو ہے

ہیں تیرِ دل فگار سے ڈرتا نہیں مگر
اندیشۂ شکستِ طلسمِ وفا تو ہے

دُنیا سمجھ رہی ہے مجھے نامراد کیوں
بگڑے ہوئے نصیب میں ندرت قضا تو ہے

دل یہ کہتا ہے مری آہ رسا ہی ہوگی
دِل کی تقدیر یہ کہتی ہے ہوا ہی ہوگی

وہ بگڑتے ہیں وفا سے تو وفا ہی ہوگی
اس کے معنی جو خطا ہیں تو خطا ہی ہوگی

لاکھ بس جائے تمنّاؤں کی دُنیا دل میں
آخرِ کار بھرے گھر کی تباہی ہوگی

میرے قاتل کی طرف دار ہے ساری دُنیا
کیا قیامت ہیں فرشتوں کی گواہی ہوگی

ظلم ہے ہم جو وفا پر اُنھیں مجبور کریں
وہ جفا کار ہے اُن سے تو جفا ہی ہوگی

جان لینے کو اجل آئے گی سُنتا ہوں میں
وہ بھی شاید کسی کافر کی ادا ہی ہوگی

چند روزہ ہو کہ ہو زندگیٔ عشق طویل
صَرفِ پابندیِ آئینِ وفا ہی ہوگی

جان ہم آج ہی کیوں اُن پہ نہ کردیں قربان
آخر اک روز تو یہ تن سے جدا ہی ہوگی

آہ بھی اُن کے لئے ہم جو کریں گے ندرت!
وہ بھی تاثیرِ محبّت سے دعا ہی ہوگی

طوقِ عاری مجھ سے ہے زنجیر نالاں مجھ سے ہے
جو مرا ہمدم ہے وحشت میں پریشاں مجھ سے ہے

سامنے رہتا ہے سب کے صرف پنہاں مجھ سے ہے
پھر وہ اس پردہ داری کا ہی خواہاں مجھ سے ہے

زلزلے پر زلزلے اُٹھتے ہیں میری خاک سے
اُن کے کوچہ کی زمیں محشر بداماں مجھ سے ہے

گھٹ گیا شوقِ ستم ایذا پسندی سے مری
اب تو دل برداشتہ وہ دشمنِ جاں مجھ سے ہے

کونسی ہے وہ ادا اُن کی نہ سمجھا جس کو میں
کونسا وہ راز ہے اُن کا جو پنہاں مجھ سے ہے

آبلہ پائی کا ہے یہ اِک نمایاں معجزہ
پھول ہے ہر خار ہر صحرا گلستاں مجھ سے ہے

میرے اُٹھتے ہی یہ سب حد بندیاں اُٹھ جائیں گی
قید ہوں میں جس میں وہ زنداں بھی نالاں مجھ سے ہے

آپ ہی کر لیں گے اندازہ اب اِس کا اہلِ حشر
میں پشیماں تجھ سے ہوں یا تو پشیماں مجھ سے ہے

میں یہ کہتا ہوں کہ تیرِ غم ہے جانِ اضطراب
دل یہ کہتا ہے کہ لطفِ دردِ پنہاں مجھ سے ہے

جنبشِ زنجیرِ زنداں سے بھی ایسا چونکنا
اللہ اللہ کس قدر بدظن نگہباں مجھ سے ہے

عشق کی دُنیا نظر آئے گی سُونی میرے بعد
یہ نظامِ کائناتِ یاس و حرماں مجھ سے ہے

جیب و دامن ہی سے چھٹکارا ابھی پایا نہیں
اور آمادہ اُلجھنے کو گریباں مجھ سے ہے

اِک تماشا ہے یہ میری ہستیِ خاموش بھی
رنگ ہر تصویر ہر آئینہ حیراں مجھ سے ہے

دردِ پنہاں اتنا کہتا ہے یہی اے چارہ گر
تنگ میں درماں سے ہوں تنگ درماں مجھ سے ہے

اب ادا اِس کو کہوں یا اُس کی نادانی کہوں
میرے دل کا ہو کے مالک دل کا خواہاں مجھ سے ہے

رازِ سربستہ ہے کوئی کیا وہ حُسنِ دلفریب
ہے مری آنکھوں میں لیکن پھر بھی پنہاں مجھ سے ہے

آپ کچھ سمجھا تو دیں اس دو دلی کا مدعا
ایک پیماں غیر سے ہے ایک پیماں مجھ سے ہے

اس کے نقشِ پا کو سجدہ کر لیا تھا ایک دن
آج تک چیں بر جبیں وہ دشمنِ جاں مجھ سے ہے

صفحۂ ہستی پہ اِک موہوم سا میں نقش ہوں
جو حقیقت ہے مری ندرت نمایاں مجھ سے ہے

بسایا پہلے تکمیلِ نشیمن سے قفس میں نے
کیا کیوں شاخِ گل کو زیرِ بارِ خار و خس میں نے

بلا میں کیوں پھنسا ہی کی زندگی کی کیوں ہوس میں نے
ازل میں کاش کچھ سوچا تو ہوتا پیش و پس میں نے

وہی دردآشنا ہے کچھ مرے ایذا طلب دل کا
جو پایا ہی تو اس بیداد گر کو دادرس میں نے

غمِ واماندگی پھر قافلے کے کوچ کا صدمہ
دہل کر رہ گیا دل جب سنی بانگِ جرس میں نے

یہ شاید آج میری زندگی کا آخری دن ہے
ڈبو دی اپنی ہستی کی تلاطم آشنا کشتی

کھلا دیکھا ہے شب کو خواب میں بابِ قفس میں نے
بھرم کھا کر ترا اے جنبشِ موجِ نفس میں نے

جنوں برداشتہ خاطر نہ ہو عریانیٔ تن سے
لگا رکھا ہے ندرتؔ اب بھی اک تارِ نفس میں نے

رنگ کچھ اور ہی ہر آن نظر آتا ہے
دل خیالات کا طوفان نظر آتا ہے

اُن کا ارمان کب ارمان نظر آتا ہے
دل کی بربادی کا سامان نظر آتا ہے

یہ مقدّر ہے تو جمعیّتِ خاطر معلوم
خوابِ اُمید پریشان نظر آتا ہے

حشر میں اس کی جفاؤں کا گلہ کون کرے
جس کو دیکھو وہی حیران نظر آتا ہے

چارہ گر! دو بہ ترقی ہے دھڑکنا دل کا
درد بھڑ رہتا ہوا طوفان نظر آتا ہے

نہ تو دامن ہی رہا جوشِ جنوں میں دامن
نہ گریبان گریبان نظر آتا ہے

ایک ہی بات ہے جینا ہو کہ مرنا میرا
مجھ کو مشکل اُنھیں آسان نظر آتا ہے

رخصت اے ضبط کہ اب آنکھ میں ہر قطرۂ اشک
غم کے جذبات کا طوفان نظر آتا ہے

کس طرح دیکھئے حل ہوتی ہو مشکل میری
میرا جلّاد بد اوسان نظر آتا ہے

کیا بلا ہے مری دُشوار پسندی ندرتؔ!
جان دینا بھی تو آسان نظر آتا ہے

محبّت میں بھلا کب منقطع اُمید ہوتی ہے
مجھے اُن کی طرف سے ضبط کی تاکید ہوتی ہے

تمنّاؤں کی دُنیا زندۂ جاوید ہوتی ہے
وفا کی اور کن الفاظ میں تائید ہوتی ہے

شریکِ آرزوئے دِل اگر اُمیّد ہوتی ہو
حیاتِ عاشقی کی ہر گھڑی اک عید ہوتی ہے

ہمیں کیا. بے حجابانہ جو اُن کی دید ہوتی ہے
نظر کب حاملِ نظّارۂ خورشید ہوتی ہے

جو دل ہی دل میں صرفِ آرزوئے دید ہوتی ہو
گرفتارِ محبّت کی وہ اِک اُمیّد ہوتی ہے

ذرا ہمّت نہ ہار اے رہگرائے وادیٔ غربت
یہ وہ منزل ہو جس میں غیب سے تائید ہوتی ہے

اُسی افسانے کو کچھ وہ دل چسپی سے سنتے ہیں
جس افسانے کی خونِ آرزو تمہید ہوتی ہو

تری برہم مزاجی سے تری بے اعتنائی سے
مری برگشتگیٔ بخت کی تائید ہوتی ہے

وہ اک حرماں نصیب انسان ہی کا دل ہو دنیا میں
کہ جس کی زندگی وابستۂ اُمیّد ہوتی ہے

زمانے کی طرح جا کر کبھی واپس نہیں آتی
جوانی بے مروّت۔ بیوفا۔ بے دید ہوتی ہے

کہے جائیں گے وہ تو بیوفا ہی مرنے والے کو
وہاں تو بات کی پیچ. قول کی تائید ہوتی ہے

تمنّا اِس لئے ہوتی ہے مایوسی میں مرنے کی
وبالِ زندگانی جانِ نا اُمیّد ہوتی ہے

جبیں پر بل ہو جب پھر کس کو وعدہ کا یقیں آئے
ترے تیور سے تیرے قول کی تردید ہوتی ہے

محبّت میں حقیقت جان کی کچھ بھی نہیں ہوتی
سہارا زندگی کا جانِ نا اُمیّد ہوتی ہے

گلے ملتی ہیں شاخیں غنچہ و گل مسکراتے ہیں
بہارِ اہلِ چمن کے واسطے اِک عید ہوتی ہے

رقیبوں کو بھی کچھ سودا سمایا ہے محبّت کا
ہوس کاروں میں بھی نُدرت امری تقلید ہوتی ہو

جس روز ترے در پہ ہم ناصیہ سا ہوں گے
اِک بندۂ مقبولِ دربارِ رضا ہوں گے

اب نذرِ سناں ہو کر فرمائیے کیا ہوں گے
وہ ٹکڑے مرے دِل کے جو جانِ وفا ہوں گے

ہم آبلہ پائی سے بدِ دل جو ذرا ہوں گے — کانٹے رہِ اُلفت کے انگشت نما ہوں گے
وہ ہاتھ جو مصروفِ صد مشقِ جفا ہوں گے — آخر مری بالیں پر مائل بدعا ہوں گے
اِس مُنہ سے محبّت میں جو لفظ ادا ہوں گے — اک دفترِ تفسیرِ اسرارِ وفا ہوں گے
بے پردہ ترے جلوے کیا جانیئے کیا ہوں گے — اللہ وہ رُبا ہوں گے یا ہوش رُبا ہوں گے
ہر چند کہ محشر میں وہ جلوہ نما ہوں گے — اِک دن میں مگر وعدے کس کس سے وفا ہوں گے
رہ رہ کے نہ یُوں روکو محفل میں نگاہوں کو — کیا اتنے نشانوں میں یہ تیر خطا ہوں گے
ہے جُرم محبّت میں جی چھوڑ کے مرجانا — ہم یوں تو نہ رسوائے دُنیائے وفا ہوں گے
خاروں کی عنایت سے تلوے ہیں یہاں چھلنی — جو آبلہ پا ہوں گے وہ آبلہ پا ہوں گے
دُنیا ہی کا غم ہم کو دُنیا سے چُھڑا دے گا — جینے ہی کی حسرت میں اک روز فنا ہوں گے
خونِ دلِ بسمل کے دو قطروں کی یہ قیمت — سرمایۂ صد نازِ پیکانِ ادا ہوں گے
جب تک مری ہستی کی تعمیر سلامت ہے — ہر لحظہ حوادث کے طوفان بپا ہوں گے
وہ تیرِ ادا کھا کر۔ بیداد طلب دل سے — نالے بھی جو نکلیں گے سائل کی دعا ہوں گے
جب آبلے تلووں کے نا قابلِ درماں ہیں — پڑ جاتے ہیں جو دل میں وہ آبلے کیا ہوں گے
مٹ جائیں گے وہ آنسو نکلیں گے جو آنکھوں میں — گم ہوں گے وہ قطرے جو دریا سے جدا ہوں گے

یوں ہی ہر ادا اُن کی تصویر ہے اے ندرت
ہنگامِ تصوّر وہ تصویر میں کیا ہونگے

غم کی میرے لیے کمی نہ رہی — یوں تو دُنیا مجھے بری نہ رہی

ہنستے ہی باغ میں کلی نہ رہی
یہ تو رونا رہا ہنسی نہ رہی

کیا ہوا تجھ کو اے دلِ مایوس
اب وہ پہلی سی بات ہی نہ رہی

قلبِ مضطر رہا رہا نہ رہا
جانِ محزوں رہی رہی نہ رہی

ابتدا انتہائے اُلفت تھی
دل کے جاتے ہی جان بھی نہ رہی

روئیں آنکھیں بھی زخمِ دل بھی رِسے
شکر ہے خون کی کمی نہ رہی

کثرتِ حادثات سے ندرتؔ!
زندگی اپنی زندگی نہ رہی

نہ آسماں نہ زمیں کے اثر میں رہتا ہے
وہ غم نصیب جو اُس رہ گذر میں رہتا ہے

تمھارا درد بھی پابندِ وضع ہے کتنا
کہ دل کا دل میں جگر کا جگر میں رہتا ہے

وہ اشکِ غم کہ ہے رُسوائیوں کا ڈر جس سے
ہماری آنکھ میں اُن کی نظر میں رہتا ہے

گواہ ہے مری بیتابیوں کا زنداں میں
یہ زلزلہ سا جو دیوار و در میں رہتا ہے

یہ ربطِ حسن و محبت میں اے تری قدرت
کسی کا درد کسی کے جگر میں رہتا ہے

ہمارے ساتھ ہی مشقِ ستم بھی ختم ہوئی
وہ خنجر اب تو کمر ہی کمر میں رہتا ہے

حیا یہ ہے کہ کسی کو نظر نہیں آتا
مزا یہ ہے کہ وہ سب کی نظر میں رہتا ہے

جو وجہِ ناز تھا صبحِ بہارِ گل کے لئے
وہ عالم اب مرے چاکِ جگر میں رہتا ہے

قفس میں حسرتِ پرواز ارے معاذ اللہ
کہ ایک حشر بپا بال و پر میں رہتا ہے

دلِ حزیں کو تو دونوں کا پاس ہے منظور
مری بغل میں تمھارے اثر میں رہتا ہے

ہم اُس کی دید سے محروم ہیں خدا کی شان
جو نور بن کے ہماری نظر میں رہتا ہے

خبر بھی ہے تجھے او نبض دیکھنے والے
جگر کا درد ہمیشہ جگر میں رہتا ہے

جہانِ حُسن میں پایا حجاب نے یہ عروج
کہ اُن کی آنکھ میں اُن کی نظر میں رہتا ہے

بشر کو عُمر لئے جاتی ہے عدم کی طرف
یہ بیٹھے بیٹھے بھی ندرت اِسفر میں رہتا ہے

مایوس ہوں میں سوزِ جذبۂ دل کی طرف سے
دیگا یہ شہادت بھی تو قاتل کی طرف سے

اب پاؤں نکالے ہیں مرے دردِ نہاں نے
بڑھتا ہے کلیجے کی طرف دل کی طرف سے

طُوفان میں کشتی ہے پھر اُس پر یہ مصیبت
موجیں بھی جو بڑھتی ہیں تو ساحل کی طرف سے

اب مشقِ جفا کے لئے پرسش نہیں ہوتی
کیا اہلِ وفا مر گئے قاتل کی طرف سے

تقصیر معاف آپ جو ناراض نہ ہو جائیں
کہتا ہوں میں اک بات مگر دل کی طرف سے

رسوا مری میّت کو کیا ہم نفسوں نے
کیوں لے کے گئے کوچۂ قاتل کی طرف سے

چُپ بیٹھے ہیں سینے پہ مرے رکھے ہوئے ہاتھ
اب اُن کو بھی کچھ یاس سی ہے دل کی طرف سے

کی میان میں تلوار تو اک وار کیا اور
ظالم نے نظر پھیر کے بسمل کی طرف سے

ہر چند کہ ناوک ہے مگر اے دلِ بیمار
آیا ہے تجھے پوچھنے قاتل کی طرف سے

میں اس نگہِ قہر کے قربان کہ ہر وقت
پیغامِ اجل لائی ہے قاتل کی طرف سے

میرے تنِ واماندہ میں جان آ گئی گویا
جھونکا بھی جو آیا کوئی منزل کی طرف سے

تیرے لئے یہ موجِ بہار اے دلِ وحشی
پیغامِ اسیری ہے سلاسل کی طرف سے

اِس جوشِ تمنّا کا تو انجام یہی تھا — برداشتہ خاطر ہیں وہ اب دل کی طرف سے
ہاں ہوگئی وہ بیخودیٔ شوق میں اِک آہ — کر لیجئے دل صاف بس اب دل کی طرف سے

ساغر نہیں آنکھوں کے اشارے ہی ہوں ندرت!
کچھ ہو تو سہی ساقیٔ محفل کی طرف سے

وہ مُسکرا کے دلِ ناتواں کو دیکھیں گے — ستم ظریفیٔ دردِ نہاں کو دیکھیں گے
قفس کو دیکھ کے ہم آسماں کو دیکھیں گے — نگاہِ یاس سے پھر آشیاں کو دیکھیں گے
سنان و ناک و خنجر سے اہتمام کے ساتھ — وہ آج وسعتِ زخمِ نہاں کو دیکھیں گے
ملیں گے حشر میں وہ، حشر بھی اب آتا ہے — ہم اُن کے قول کو اُنکی زباں کو دیکھیں گے
نظر کے گرد ہیں مایوسیاں دمِ آخر — وہ آئے بھی تو انھیں ہم کہاں کو دیکھیں گے
یہ دیکھنا ہے کہ کس دل سے اب چمن والے — ہمارے اُجڑے ہوئے آشیاں کو دیکھیں گے
نہیں فضول ہمیں دعوئے گراں جانی — ہم آج آپ کی تیغِ رواں کو دیکھیں گے
یہاں اُمیدِ کرم ہے مگر خدا جانے — وہ کس نظر سے دلِ ناتواں کو دیکھیں گے

ہماری بزمِ عزا میں وہ آسکے اے ندرت
خدا نے چاہا تو سارے جہاں کو دیکھیں گے

اب تو اے حضرتِ دل نالۂ پر جوش رہے — وہ اُسے ہیچ سمجھتے ہیں جو خاموش رہے
تیری نظروں ہی میں ساقی اثر بیہوش رہے — جب ملے پینے کو ایسی تو کسے ہوش رہے
ضبطِ شیون ہو تو اشکوں میں بھی کیوں جوش رہے — دِل کو خاموش ہی رہنا ہے تو خاموش رہے

کیا غضب ہے کہ جلے جس پہ نشیمن میرا
سوگ میں بھی وہی اک شاخ سیہ پوش رہے

جس میں ناسور ہی ناسور ہوں لے کی مانند
معجزہ ہے جو وہ دل ضبط سے خاموش رہے

بادِ طوفاں لئے آتی ہے سفینہ میرا
کہد و گرداب سے کھولے ہوئے آغوش رہے

شرطِ تکمیلِ وفا ضبطِ محبت ہی نہیں
کیا کیا ہم نے جو خاموش ہی خاموش رہے

صحن گلچیں کی رقابت نے قیامت ڈھائی
رات بھر پھول جو شاخوں سے ہم آغوش رہے

شعلے سے برق سے سیماب سے لے درسِ عمل
زیست اُس کی ہے جو اے دل ہمہ تن جوش رہے

تر و تازہ رہیں تا حشر تری تیغ کے زخم
تیرے مقتول کا لاشہ یونہی گلپوش رہے

زینتِ جام بھی کچھ چاہیئے اے ساقی بزم
جام ہی جام نہ زیبِ کفِ مے نوش رہے

جاں بلب ہے کوئی واماندۂ دشتِ غربت
جرسِ قافلہ کچھ دیر تو خاموش رہے

خوگرِ لذّتِ بیداد ہوں میں اے ندرت
کاش ناراض ہی مجھ سے وہ جفاکوش رہے

قسمت اُس دل کی جو حیراں رہے خاموش رہے
اُن کا آئینہ بنے اُن سے ہم آغوش رہے

دُرد کی طرح تہ بادۂ سرجوش رہے
دے خدا ظرف تو خم میں ہی نہ مے نوش رہے

بسکہ تجھے جلنے سے مایوس ترے سوختہ جاں
مثلِ شمع تہ فانوس کفن پوش رہے

آ گئے جلوہ گہ ناز سے ہم واہ ری عقل
رہ گئے ہوتے وہیں ہم بھی جہاں ہوش رہے

شیشۂ دل کو مرے پھینک کے فرماتے ہیں
بات جب ہے کہ یہ اِس وقت بھی خاموش رہے

واہ رے رنگِ چمن، میری گرفتاری پر
پھول بھی ہنستے رہے غنچے بھی خاموش رہے

چاہیے فیض سے تیرے مجھے اے پیرِ مغاں
اک وہ جذبہ جو حریفِ خرد و ہوش رہے

تیری دیوار کے سایہ میں جگہ جس کو ملے
بے کفن بھی ہو وہ میت تو کفن پوش رہے

اُس مسافر کا مقدر بھی کہاں تک دے ساتھ
منزلوں جس سے الگ قافلۂ ہوش رہے

شیشۂ و جام و سبو ساتھ لئے پھرتا ہوں
اُس کا کیا ٹھیک ہے جو میکدہ بردوش رہے

مجرمِ عشق سے کہتے ہیں وہ ہنس کر سرِ حشر
اتنے دن آپ کہاں خوف سے روپوش رہے

نالہ سنجی کا گلہ کیا ہے بہارِ گل میں
دل نہیں بلبلِ تصویر جو خاموش رہے

دلِ پرشوق میں بھی وہ نہ رہیں گے ندرت!
یوں بھی شاید گلۂ تنگیٔ آغوش رہے

میرے رونے کا اثر اُن پہ بھی خاطر خواہ ہے
یہ کسی نے سچ کہا ہے دل سے دل کو راہ ہے

بوئے خوں ذرّوں میں ہے رنگین خاکِ راہ ہے
کوئے قاتل جانے کس کس کی شہادت گاہ ہے

کوئی ہمدم ہے نہ غربت میں کوئی ہمراہ ہے
یہ وہ منزل ہے جہاں اللہ ہی اللہ ہے

در حقیقت ہے مکمل درد کی اک داستاں
گو بظاہر میرے دل کی آہ کا نام آہ ہے

یہ حوادث کیا ہیں جھونکے بادِ طوفانی کے ہیں
میری ہستی ان میں کیا ہے ایک پرِ کاہ ہے

سر کے بل آنا مبارک سرزمینِ عشق میں
اے دلِ معصوم یہ تیری شہادت گاہ ہے

لب تک آنے بھی نہیں پاتی کہ ہو جاتی ہے گم
دل ہے تنہا ناتواں ویسی ہی دل کی آہ ہے

تم جسے ٹھکرا گئے تھے کچھ خبر بھی ہے تمہیں
اب وہ تربت ساری دنیا کی پرستش گاہ ہے

اُس کی فطرت کو بدلنا چاہتے ہیں چارہ ساز
جس کے جینے کا سہارا ہی غمِ جاں کاہ ہے

ہچکیاں کیسی اگر رکتی ہے رفتارِ نفس
یہ تو اے دل منزلِ تکمیلِ ضبطِ آہ ہے

میرے دل پر جو گزرتی ہے کسی کو کیا خبر
اس سے یا آگاہ میں ہوں یا خدا آگاہ ہے

یہ تو اک توہین ہے آئینِ ضبطِ عشق کی
میری آنکھوں میں ہیں آنسو نہ سرِ لب پر آہ ہے

محو تھے یادِ بتاں میں حضرتِ ندرت کبھی
اب تو اُن کا وِرد یا اللہ یا اللہ ہے

ہوش بستی کا نہ جس وحشت میں ویرانے کی ہو
اور ہی کچھ اب تو دنیا تیرے دیوانے کی ہے

اور کیا دیکھیں گلشن میں صبح کو کچھ بھی نہیں
یا ہیں آنسو شمع کے یا لاش پروانے کی ہے

فصلِ گل میں بے تکلف جا رہے ہیں بادہ خوار
ہے ہوا کا رُخ جدھر وہ راہ میخانے کی ہے

اب سلامت کیا رہے گا اے صبا دامن ترا
تو نے چھیڑا ہے جسے وہ خاک دیوانے کی ہے

نالۂ پُر درد سے ہی آپ کا دل ہل گیا
یہ تو اک تمہید میرے غم کے افسانے کی ہے

واہ کیا وحشت برستی ہے در و دیوار سے
گھر ہمارا کیا ہے اِک تصویر ویرانے کی ہے

کچھ نہ دیکھا، ہو گئے محوِ تماشائے جنوں
کچھ نہ سمجھے تم کہ یہ بھی چال دیوانے کی ہے

میں بھی ہوں تیرا بھکاری تیرے میخانے کی خیر
آرزو مجھ کو بھی ساقی! ایک پیمانے کی ہے

واقعاتِ خونِ ناحق تیرے دل پر نقش ہیں
یہ شفق اے چرخ سُرخی میرے افسانے کی ہے

آپ کا در مل گیا سر پھوڑنے کے واسطے
آج کل تو سامنے تقدیر دیوانے کی ہے

جل گئے دونو تو پھر ندرت! رہا کیا امتیاز
شمع کا پروانہ ہے اب شمع پروانے کی ہے

اشک آنکھوں میں ہے سینہ وقفِ غبارِ دل ہے
جب سے تری محبت رونق فزائے دل ہے

ہر لحظہ اشکباری اِک شغلِ مستقل ہے
سودا ہے اور سر ہے وحشت ہے اور دل ہے

تم سامنے ہو پھر بھی اُٹھتی نہیں نگاہیں
ہے دو نوں ہی کے دم سے آزار کا مزا کچھ

خنجر بھی میان سے تم رک رک کے کھینچتے ہو
کچھ اضطراب ہی میں ہے لطف زندگی کا

میرا وجود بھی اِک دُنیائے آب و گِل ہے
اِک آگ ہے کہ میرے سینے میں مشتعل ہے

اب جوش پر کچھ ایسا دریائے خونِ دِل ہے
دُنیائے عاشقی کی ہر چیز مستقل ہے

اب اس قدر تمھارا بیمار مضمحل ہے
دِل ہو تو غم بھی غم ہو غم ہو تو دِل بھی دِل ہے

یہ عزم بھی تمھارا کیا غیر مستقل ہے
کچھ درد ہی میں مضمر رازِ حیاتِ دِل ہے

دل جب سے گُم ہوا ہے چین آگیا ہے مجھ کو
اب دل کی یادِ ندرت راحت میں کیوں مخل ہے

اِک کرشمہ اُس کی قدرت کا دِلِ بیتاب ہے
زندگی کا مرحلہ معمورِ پیچ و تاب ہے

پیکرِ حیرت جو محفل میں دلِ بیتاب ہے
میری آنکھیں منتظر مدت سے ہیں تعبیر کی

تجھ سے تکمیلِ کتابِ عشق اے دل ہو چکی
تیری چشمِ لطف سے بھی اے اجل محروم ہیں

دل کو وحشت ہوتی ہے جس کے مناظر دیکھ کر
صورتاً یک قطرہ خوں ہے فطرتاً سیماب ہے

رُوح اِک کشتی ہے۔ دُنیا کی فضا گرداب ہے
وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی واقفِ آداب ہے

خوابِ ہستی بھی خدا معلوم کیسا خواب ہے
جس کو کہتے ہیں فنا اُس کا وہ پہلا باب ہے

میری وہ آنکھیں کہ جن کو آرزوئے خواب ہے
نام اُس ویراں کدہ کا عالمِ اسباب ہے

گریۂ خونابہ افشاں جس کی فطرت بن گیا
اک وہ بد قسمت ہمارا دیدۂ بے خواب ہے

داغِ رسوائی سے اب دامن بچاؤں کس طرح
آنکھ سے ٹپکا ہے جو آنسو وہ خونِ ناب ہے

آنکھ جب جھپکی ذرا اُن کی جھلک بھی دیکھ لی
میری بیداری کی اک مخصوص دُنیا خواب ہے

دوستوں کی کج ادائی کا گلہ ندرت فضول
آج کل جنسِ وفا کمیاب کیا۔ نایاب ہے

مرے سینے میں اک داغ نہاں معلوم ہوتا ہے
جہاں دل تھا وہاں دل کا نشاں معلوم ہوتا ہے

تمہارا درد رگ رگ میں نہاں معلوم ہوتا ہے
تمہیں اب کیا بتاؤں میں کہاں معلوم ہوتا ہے

شبِ غم کی سحر ہو رونما اللہ کی قدرت
کچھ اس میں بھی فریبِ آسماں معلوم ہوتا ہے

کوئی سمجھے تو سرتاپا ہے اک رودادِ ناکامی
وہ دل جو دیکھنے میں بے زباں معلوم ہوتا ہے

ستانے کے لئے مجھ کو تری راہِ محبت میں
زمیں کا ذرّہ ذرّہ آسماں معلوم ہوتا ہے

ذرا تم بھی مریضِ غم کی حالت دیکھ لو آکر
کہ اب کوئی گھڑی کا میہماں معلوم ہوتا ہے

اسیری میری فطرت بن گئی اللہ رے مجبوری
قفس بھی اب تو مجھ کو آشیاں معلوم ہوتا ہے

خلش کا کیا سبب جب مٹ چکیں لاکھوں تمنّائیں
ابھی دل میں کوئی کانٹا نہاں معلوم ہوتا ہے

ہماری ناتوانی کی کوئی حد بھی ہے اے ندرت
کہ اب تو بارِ ہستی بھی گراں معلوم ہوتا ہے

رُباعیاتِ فارسی

ہیں ہست فریبِ نظر ایں چرخِ کبود
ندرت و ہیبت ایں طلسمِ ہستی
از وسعت تو بگسلد چہ تا راست چہ بود
آگاہ شو از رموزِ توحید وجود

در وادیِ وحدت است جست و جویم
در جلوت و خلوت است کارم با او
در کعبہ و بتخانہ چہ در آہویم
در بزمِ ہویت ہمہ محو ہویم

اے رشکِ مسیح دردِ بیمار مپرس
یا لعلِ لبت زندہ کند یا بکشد
قربان شومت حالِ دلِ زار مپرس
یکبار بپرس از دگر بار مپرس

از شعبدۂ چشمِ فسوں ساز مپرس
للہ مپرس چوں کشد دلداری
چوں سرمہ خورد کسے ز آواز مپرس
دل دوست چساں ربود ایں راز مپرس

خمخانہ کشِ مئے الستم مستم
جز غیبت کسے نیست در میخانہ رت
بالاتر ازیں ہمہ بلند و پستم
پس نعرہ چرا زنم کہ ہستم ہستم

با ظرفِ وسیعِ خود کن اندازۂ ما
مثلِ خطِ جامِ ساقیِ دریا دل
بیں غلغلِ العطش در آوازۂ ما
از سیریِ مے فزود خمیازۂ ما

در غنچۂ دل ببیں چمن پیدا شد
تا غسل کنند ایں بتانِ بدکیش
صد یاسمنش ز یاسمن پیدا شد
از چشمِ ترم گنگ و جمن پیدا شد

رُباعیات اُردو

یارب یہ زمین و آسماں تیرا ہے
ماہی سے ہے تا بماہ قبضہ تیرا
اے کل کے انیس انس و جاں تیرا ہے
یعنی کہ مکان و لا مکاں تیرا ہے

ہر قطرہ میں جلوہ گر خدائی تیری
چھوٹا ہو بڑا ہو ذرّہ ہو یا خورشید
ہر بحر کے دل میں آشنائی تیری
سب کرتے ہیں رات دن بڑائی تیری

پاتا ہے وہی خود کو جو کھو جاتا ہے
ملتا ہے ترقّی و تنزّل سے کمال
بیدار وہ ہوتا ہے جو سو جاتا ہے
گھٹ بڑھ کے ہلال بدر ہو جاتا ہے

اس باغ سے کیا ہو شادمانی ندرتؔ
خالی نہیں صرصرِ نفس کا چلنا
اوڑتا ہوا رنگ ہے جوانی ندرتؔ
گُل ہوگا چراغِ زندگانی ندرتؔ

تھا بخت جو نارسا رسائی نہ ہوئی
احول کی نگہ تھی ایک دو آئے نظر
تھی صاف کدورت تو صفائی نہ ہوئی
کمظرف میں وحدت کی سمائی نہ ہوئی

آئینہ میں گو کتنے ہی گذریں مہ و سال
ہے کاہشِ غم ہی جوہر اہلِ کمال
ہوگا تو کبھی نہ باغِ ہستی میں نہال
گھٹنے کے لئے ہمیشہ بڑھتا ہے ہلال

تو اُن کی گلی سے بار بار آتا ہے
کچھ دل کا ہمیں نشاں بتا اے قاصد
رونا ہمیں ہائے زار زار آتا ہے
اُس راہ میں کیا کوئی مزار آتا ہے

جب موج پہ ابر تو بہار آتا ہے
کس جوش پہ رنگ سبزہ زار آتا ہے
یوں آتی ہے ہو کے مست گلشن میں صبا
جیسے کوئی بہکے بادہ خوار آتا ہے

گو روپ بشر پہ ایک بار آتا ہے
یہ حسن کب اے ستم شعار آتا ہے
پائی ہے وہ بھولی شکل چشم بد دور
تیری تصویر پہ بھی پیار آتا ہے

غمخوار بہت بڑی ہے زنجیر مری
بے چین گھڑی گھڑی ہے زنجیر مری
زنداں سے بگڑ کے میں چلا ہوں جو کبھی
قدموں ہی میں آ پڑی ہے زنجیر مری

میخانے کے گرد گھومتے دیکھا ہے
پیمانۂ مے کو چومتے دیکھا ہے
ندرت ترا اتقا ہے ہم پر روشن
سو بار نشہ میں جھومتے دیکھا ہے

سر پیر مغاں پہ پھوڑتے دیکھا ہے
شیشہ توبہ کا توڑتے دیکھا ہے
میخانے میں ایک ایک چلو کے لیے
ندرت تجھے ہاتھ جوڑتے دیکھا ہے

صرصر کا خیال بھولتے دیکھا ہے
غنچے غنچے کو پھولتے دیکھا ہے
طفلان چمن کو فصل گل میں ہم نے
جھولے میں ہوا کے جھولتے دیکھا ہے

ہر نخل کی جڑ اکھاڑتے دیکھا ہے
ہر غنچہ کا منہ بگاڑتے دیکھا ہے
اللہ بچائے تجھ سے اے فصل خزاں
گلشن ہی تجھے اجاڑتے دیکھا ہے

کانٹوں سے بدن کو ڈھانکتے دیکھا ہے
صحرا میں کنوئیں بھی جھانکتے دیکھا ہے
ندرت کو نہیں جنوں میں فکر خور و نوش
ہم نے اسے خاک پھانکتے دیکھا ہے

مختلف نظمیں

صبح

قدرت کا ایک رُوح فزا ہے ظہور تو
دیتی ہے دل کو دعوتِ کیف و سرور تو
پھیلا رہی ہے روشنی نزدیک و دور تو
دُنیا کے واسطے ہے تجلّائے طور تو

اے صبح لے کے آئی ہے پیغامِ نور تو

غنچے بھی محوِ ذکر ہیں کھولے ہوئے دہن
مرغانِ خوشنوا بھی ہیں شاخوں پہ نغمہ زن
معبود سے لگائے ہوئے ہیں سبھی لگن
مسجد میں شیخ ہے تو شوالے میں برہمن

اے صبح لے کے آئی ہے پیغامِ نور تو

سرمایۂ نشاط سہانی فضا تری
سامانِ انبساط و مسرّت ہوا تری
دل کا سرور آنکھوں کی ٹھنڈک ضیا تری
فطرت کا ایک آئینہ ہے ہر ادا تری

اے صبح لے کے آئی ہے پیغامِ نور تو

شیخِ خدا پرست کو فکرِ وضو ہوئی
رندانِ بادہ کش کو تلاشِ سبو ہوئی
اہلِ غرض کو حسبِ غرض جستجو ہوئی
ظاہر نئے لباس میں ہر آرزو ہوئی

اے صبح لے کے آئی ہے پیغامِ نور تو

جاگے نصیب خلق کے تازہ ملی حیات
یعنی جمودِ خواب سے حاصل ہوئی نجات

روشن ہوا ستارۂ تقدیرِ کائنات
دیکھو جدھر اُدھر ہے ظہورِ تجلیات

اے صبح لے کے آئی ہے پیغامِ نور تو

پرتو سے تیرے صحنِ چمن پر بہار ہے
یعنی کہ سبزہ زار تمام جلوہ زار ہے

بُلبل کا اشک بھی گہرِ آبدار ہے
جس برگِ گل کو دیکھئے وہ زرنگار ہے

اے صبح لے کے آئی ہے پیغامِ نور تو

روشن ہے گوشہ گوشہ منوّر گلی گلی
دُنیا کے سر سے ظلمتِ شب کی بلا ٹلی

مستانہ وار صحنِ چمن میں صبا چلی
ہر گل ہے خندہ زن متبسّم ہے ہر کلی

اے صبح لے کے آئی ہے پیغامِ نور تو

آنسو

بنائیں گے مژہ کو غیرتِ صد لالہ زار آنسو
مری آنکھوں ہی میں کھینچیں گے تصویرِ بہار آنسو

نکل پڑتے ہیں اُن کو دیکھ کر بے اختیار آنسو
محبت میں ہیں دل سے بھی زیادہ بیقرار آنسو

لٹائیں یوں مری آنکھیں یہ سرمایہ محبّت کا
بمشکل میں نے رو رو کر کئے تھے جمع چار آنسو

انھیں مشقِ ستم کی یاد جی بہلانے لائی ہے
ذرا اس وقت پی جائے مری شمعِ مزار آنسو

کہیں دھوکہ نہ دے جائیں کسی کے سامنے مجھ کو
مری بے اختیار آہیں مرے بے اختیار آنسو

الٰہی کیا یہیں تک حد ہے جوشِ گریۂ غم کی
کہ رک جاتے ہیں مژگاں ہی تک آ کر بار بار آنسو

یہی ہے جوشِ غم تو ضبط کی امید بھی کب تک
اٹھا دیں گے کسی دن پردۂ صبر و قرار آنسو

بہت کچھ قدر تھی جب تک رہے پوشیدہ آنکھوں میں
نکل کر خاک ہی میں مل گئے انجامِ کار آنسو

زمانے کے لئے اک درسِ عبرت تھے وہ اے ندرت
دمِ آخر جو نکلے تھے مری آنکھوں سے چار آنسو

بچہ سقہ سے خطاب

کیا تیری سیہ کاری نے رسوائے جہاں تجھ کو
خدا شرمائے اے غارت گرِ امن و اماں تجھ کو

ابھی الٹی ہوا چلنے لگے یہ بھی تو ممکن ہے
جلا دیں تیری بھڑکائی ہوئی چنگاریاں تجھ کو

کیا ہے قوم کو جس طرح پامالِ ستم تو نے
یونہی پیسیں گے کابل کے زمین و آسماں تجھ کو

بنا بیٹھا ہے میرِ کارواں جن باغیوں کا تو
مٹائیں گے وہی مثلِ غبارِ کارواں تجھ کو

حکومت کی ہوس تیرے لئے کفرانِ نعمت ہے
کرے گی دہر میں رسوا یہ سعیِ رائگاں تجھ کو

فروغِ چند روزہ ہے نظر کا تیری دھوکہ ہے
میسر ہو گیا ہے جو نصیبِ دشمناں تجھ کو

ہوس ہے جس سلیماں جاہ سے زور آزمائی کی
سمجھتا ہے وہ اک مورِ ضعیف و ناتواں تجھ کو

وہ آنکھیں آج دیکھیں کس طرح گھر پر ترا قبضہ
جو کل تک دیکھتی تھیں سجدہ ریزِ آستاں تجھ کو

بہت ہمدم ہیں اب تیرے مگر جب جان نکلے گی
نہ آئے گا میسر لاش پر بھی نوحہ خواں تجھ کو

کریں گے اہلِ کابل خاک تیری حکمبرداری
کہ سب سمجھے ہوئے ہیں چار دن کا میہماں تجھ کو

آستیں

دید کے قابل ہے رنگِ لالہ زارِ آستیں
اشکِ خونیں بن گئے نقش و نگارِ آستیں

کیوں نہ کر دے ٹکڑے ٹکڑے تار تارِ آستیں
کیوں مرا دستِ جنوں ہو زیر بارِ آستیں

ہو گیا تقسیم آخر خار زارِ عشق میں
تار تارِ جیب و دامن تار تارِ آستیں

رہ گئے ہیں پنجۂ وحشت میں کچھ اُلجھے ہوئے
چند تارِ آستیں ہیں یادگارِ آستیں

جوشِ وحشت میں یہ اچھا شغل سوجھا ہے ہمیں
ٹکڑے کر کے گنتے ہیں ایک ایک تارِ آستیں

اپنے دو ہاتھوں کو میں جوشِ جنوں میں کیا کہوں
ایک خارِ آستیں ہے ایک مارِ آستیں

اب کہاں پہلو میں اے ندرتؔ وفا پرور دہ دل
ہو گیا اشکوں میں حل حل کر نثارِ آستیں

اسراف کا انجام

وہ نہالِ وقر سینچا تھا جسے اسلاف نے
اُس کی ہر ڈالی کو کیا اسراف نے سُوتا نہیں

قوتِ بازو کو ہم نے نذرِ غفلت کر دیا
پیٹ اپنا پال لیں اتنا بھی بل بوتا نہیں

مفلسی میں بے سر و پا ہیں ہماری شیخیاں
سر پہ اب ٹوپی نہیں اب پاؤں میں جوتا نہیں

زندہ قومیں کیا ہوں پُرساں ایک مُردہ قوم کی
ایسے لاشے کو درندہ بھی کوئی چھوتا نہیں

دُنیا

جائے حزن و ملال ہے دُنیا ۔ سچ تو یہ ہے وبال ہے دُنیا

صفر اس کا نتیجہ نکلے گا ۔ صادق سا اک سوال ہے دُنیا

بے ثباتی میں بے وفائی میں ۔ بے بدل بے مثال ہے دُنیا

ہے میسر یہاں کمال کسے ۔ معرضِ صد زوال ہے دُنیا

کوئی بنیاد ہے نہ کوئی وجود ۔ اک فریبِ خیال ہے دُنیا

گردشیں ہیں اسی سے وابستہ ۔ محورِ ماہ و سال ہے دُنیا

خطاب بہ مُسلم

کھینچ کر حسنِ عمل کی دل پہ اک تصویر دیکھ ۔ پھر اُسی تصویر میں گلکاریٔ تقدیر دیکھ

کارگر ہوتا نہیں کس طرح تیرا تیر دیکھ ۔ دل سے کر فریاد، پھر فریاد کی تاثیر دیکھ

کیوں نظر نیرنگِ عالم سے ہے وقفِ خیرگی ۔ تجھ کو جو منظر دکھائے گردشِ تقدیر دیکھ

جوش زن ہیں بیکسوں کے اشک دریا کی طرح ۔ ہے قیامت خیز یہ سیلابِ عالمگیر دیکھ

ہیں نفاقِ باہمی کے داغ کتنے بدنما ۔ قوم کے اخلاق کی بگڑی ہوئی تصویر دیکھ

کامیابی ہمتِ مردانہ پر موقوف ہے ۔ کام لے تدبیر سے پھر خوبیٔ تقدیر دیکھ

ندرتؔ اس آشوبِ عالم سے تجھے حیرت ہے کیوں ۔ رنگ بھی لاتا ہے کیا کیا آسمانِ پیر دیکھ

زوالِ کمال

کبھی تھا زندگی کی جان اعجازِ سخن تیرا
رہینِ خامشی ہے اب زباں تیری دہن تیرا

بھلا دامن نہ پکڑے کس لئے خاکِ وطن تیرا
کہ غارت ہو رہا ہے سامنے تیرے چمن تیرا

بتا؟ برباد کی تو نے کہاں اسلاف کی دولت
کہاں ہے صنعت و حرفت کہاں ہے علم و فن تیرا

ہوئی وجہ خرابی پیروی نا آشناؤں کی
وہیں تقدیر بھی بگڑی جہاں بگڑا چلن تیرا

حصولِ زندگی تن پروری کو تو نے سمجھا ہے
یہی بہتر ہے اس سے خاک میں ملجائے تن تیرا

وہ دشمن ہیں توقع دوستی کی جن سے ہے تجھ کو
تری بربادیوں کی فال ہے یہ حسنِ ظن تیرا

نہ ہوگی کارگر ہرگز تسلی چارہ سازوں کی
کہ اس مرہم سے بھر سکتا نہیں زخمِ کہن تیرا

تلافی مجرمانہ غفلتوں کی اب تو یوں ہوگی
نظر آئے گا تیرے خون میں رنگیں کفن تیرا

دلِ عشرت طلب نہ درت! تجھے دنیا سے کھو دیگا
جسے تو راہبر سمجھا ہے وہ ہے راہزن تیرا

درسِ حقیقت

دھن تڑپنے سے ہے فریاد سے ہے کام تجھے
مشغلے خوب ملے ہیں یہ تہِ دام تجھے

خود پسندی ہی نہ بنادے کہیں خود کام تجھے
سوچنا چاہیئے آغاز میں انجام تجھے

اب تو ہو خواب سے بیدار کہ ہے وقتِ زوال
نظر آتا نہیں کیا مہرِ لبِ بام تجھے

چین طوفانِ حوادث میں کسے ملتا ہے — مضطرب رکھتی ہے کیوں یہ ہوسِ خام تجھے
حسنِ تدبیر سے کچھ کام ہی تو نے نہ لیا — تیری تقدیر نہ دے کس لئے الزام تجھے
بادۂ حبِّ وطن کے لئے دل ہے موزوں — کیوں ہوا اس میکدے میں آرزوئے جام تجھے
فکرِ شبخوں میں ہے غارتگرِ سامانِ حیات — تا مبارک نہ ہو یہ خوابِ سرِ شام تجھے
غرق دریائے محبت میں ہو قطرے کی طرح — دل سُناتا ہے انا البحر کا پیغام تجھے

روح تو تیری گرفتار نہیں اے ندرت
کنجِ زنداں ہے اگر عالمِ اجسام تجھے

بچّوں کے لئے

حمد

سارے جگ کا داتا تو ہے — مالک تو ہے آقا تو ہے
کرتے ہیں سب سجدا تجھ کو — پُوج رہی ہے دُنیا تجھ کو
اس گلشن کا تو ہے مالی — کرتا ہے سب کی رکھوالی
کھیت میں تو نے پودے اُگائے — پودوں میں پھل پھول لگائے
سورج، چاند ہیں چاکر تیرے — پھرتے ہیں جو شام سویرے
دُنیا کا یوں کام چلایا — رات اور دن کا جوڑ ملایا

جنگل تیرا بستی تیری — ساری بلندی پستی تیری
دریا تیرا گلشن تیرا — گھر ہے تیرا آنگن تیرا
کیسے بنائے موسم تو نے — برسات اور گرمی سردی کے
مالک ہے سب کی جانوں کا — انسانوں کا حیوانوں کا
تو تجھ سے ہی لگاتے ہیں ہم — تیرا ہی گن گاتے ہیں ہم

سورج

کیا ہو صفت اے سورج تیری — دیکھی نرالی سج دھج تیری
صبح کو تو مشرق سے نکل کر — دنیا کا لگاتا ہے چکر
جاری ہے تیرے فیض کا سکہ — کہتے ہیں تجھ کو دن کا راجہ
گھر گھر میں ہے تیرا جلوا — ذرہ ذرہ جس سے چمکا
چمک دمک ہے ریت میں تیری — گرمی ہے ہر کھیت میں تیری
ہر کونپل کو تو نے پکایا — پھول اور پھل کو تو نے پکایا
غنچہ کا روپ سنوارا تو نے — گل کا رنگ نکھارا تو نے
دھوپ ہے تیری کیسی پیاری — جس نے کھوئی ہر بیماری
تاریکی کو تو نے کھویا — نور کا چشمہ ہے تو گویا
مشرق سے صبح نکلتا ہے تو — شام کو مغرب میں ڈھلتا ہے تو

غرض نہیں آرام سے تجھ کو
دُھن ہے اپنے کام سے تجھ کو

چاند

آسماں پر چاند نکلا۔ دیکھنا
اس کی قدرت کا تماشا دیکھنا

کیا ہی اچھا کیا ہی پیارا چاند ہے
خلق کی آنکھوں کا تارا چاند ہے

ہوگئی رخصت سیاہی رات کی
چاند سے تقدیر جاگی رات کی

روشنی پھیلی ہوئی ہے ہر طرف
چاندنی چھٹکی ہوئی ہے ہر طرف

پہلے اک تاروں کا لشکر بن گیا
چاند پھر لشکر کا افسر بن گیا

اس کے چہرے کی ذرا دیکھو پھبن
کھینچتی ہے دل کو اس کی ہر کرن

یہ تو قدرت کی عجب قندیل ہے
روشنی جس کی ہزاروں میل ہے

دیکھنے میں آسماں کا ہے چراغ
یہ مگر سارے جہاں کا ہے چراغ

جی ہمارا رات بھر بہلائے گا
صبح ہوتے ہی مگر چھپ جائے گا

ریحان کا بستہ

سی دیا ہے پیاری اماں نے جو اک بستہ مجھے
وہ بتاتا ہے مرے اسکول کا رستہ مجھے

صبح کو اُٹھکر مرا اسکول جانا دیکھئے
لیتے ہی بستہ خوشی سے پھول جانا دیکھئے

کیا کہوں میری بغل میں آکے یہ کیا بن گیا
میرا بستہ میری اُمیدوں کی دنیا بن گیا

رکھ کے بستے میں کتابیں۔ پنسل۔ کاغذ قلم
کر دیا ہے میری دلچسپی کا ساماں بہم

ہوتی ہے اسکول کے رستے میں اس سے بات چیت
چپکے چپکے یہ سناتا ہے خوشی کے مجھ کو گیت

شوق دل میں اس لئے ہی پیدا کیا تعلیم کا
بن گیا میرے لئے یہ رہنما تعلیم کا

کھل گئیں آنکھیں مری جس وقت بستا کھل گیا
میں نے یہ سمجھا کہ دروازہ خوشی کا کھل گیا

مجھ کو اپنی جان اپنے دل سے پیارا بستہ ہے
میری تعلیمی ترقی کا سہارا بستہ ہے

بوڑھے باپ کی نصیحت چھوٹے بچے کو

میرے لاڈلے پیارے بچے
میری آنکھوں کے تارے بچے

میرے دل کی تمنّا تو ہے
میرے جگر کا ٹکڑا تو ہے

میں نے تجھ کو لاڈ سے پالا
تیرے دل کو ہاتھوں میں رکھا

تج دیا تجھ پر میں نے آپا
آگیا آخر میرا بڑھاپا

جان ہے میری جانے والی
موت ہے اک دن آنے والی

اسّی برس کا میرا سن ہے
آج مُوا کل دوسرا دن ہے

تجھ کو خدا دے نیک ہدایت
رکھنا یاد یہ میری نصیحت

خلق خدا کی خدمت کرنا
چھوٹوں بڑوں کی عزت کرنا

بچنا دائم صحبت بد سے
آگے نہ بڑھنا اپنی حد سے

دل کو کسی کے نہ زخمی کرنا
دشمن سے بھی نیکی کرنا

علم سے رکھنا شوق ہمیشہ — حاصل کرنا جائز پیشہ
فائدہ کیا ہے خواہش زر سے — ملتی ہے عزت علم و ہنر سے
خلق کا بن کر پیکر ملنا — جس سے ملنا جھک کر ملنا
اپنے وطن کی سیوا کرنا — نام جہاں میں پیدا کرنا
پائے راحت دنیا تجھ سے — نام ہو روشن میرا تجھ سے

وقت کی پابندی

یوں گزارو عمر کے ایّام کو — وقت پر انجام دو ہر کام کو
وقت کا پابند جو رہتا نہیں — عقلمند اُس کو کوئی کہتا نہیں
رات کو بے فکر سونا چاہیئے — صبح کو بیدار ہونا چاہیئے
دن کے گھنٹوں کی کرو تقسیم تم — تاکہ لو آرام سے تعلیم تم
بے محل تفریح بھی اچھّی نہیں — راگنی بیوقت کی اچھّی نہیں
تم اگر اسکول جاؤ وقت پر — چاہیئے واپس بھی آؤ وقت پر
وقت پر ہے کھانے پینے کا مزا — تاکہ اچھّی طرح پچ جائے غذا
وقت سے پہلے اگر کھاؤ گے تم — واقعی بیمار ہو جاؤ گے تم
وقت پڑھنے کا ہے پڑھنے کے لئے — کھیلنے کے وقت بے شک کھیلئے
دن کو شب کے بدلے سونا ہے برا — وقت کو بیکار کھونا ہے برا

رات کو بے فائدہ جاگو نہ تم
صبح کو اسکول سے بیدا گو نہ تم

وقت کی پابندیوں سے صبح و شام
تم بآسانی کرو گے ختم کام

وقت کا جس نے نہیں رکھا خیال
کامیابی ہو گئی اس کی محال

وَرزِش

جو تم لکھنے پڑھنے میں کوشش کرو
مناسب ہے ساتھ اس کے ورزش کرو

بدن اس سے رہتا ہے مضبوط و چست
یہ رکھتی ہے انسان کو تندرست

جو بچے ریاضت سے غافل رہے
وہ بیمار ۔ کمزور ۔ کاہل رہے

نہ ہو اپنی صحت سے غافل کبھی
کہ موقوف صحت پہ ہے زندگی

جو درکار ہے تم کو تازہ دماغ
تو رکھو ریاضت سے دل باغ باغ

رہو ہر گھڑی چست و چالاک تم
کرو خوب ہضم اپنی خوراک تم

جو انسان لاغر ہے کمزور ہے
حقیقت میں وہ زندہ درگور ہے

بدن میں نہیں خون چہرہ ہے زرد
کبھی ہے کمر میں کبھی سر میں درد

اگر یوں جیا کوئی تو کیا جیا
کہ ہے ایسے جینے سے مرنا بھلا

ابھی سے ہی ہمت جو ہارو گے تم
تو پڑھ لکھ کے کیا تیر مارو گے تم

کرو تم نہ ورزش سے پہلو تہی
کہ ہے تندرستی کی ضامن یہی

متفرق غزلیات

یہ غزلیں اس وقت ہوئیں جبکہ حصّۂ دویم کی طباعت کا سلسلہ نظموں تک پہنچ چکا تھا اِس لئے بے ترتیب درج کی جا رہی ہیں۔ (ندرت)

تمہاری رہگزر کی خاک کا ہر ذرّہ اک دل ہے
پھر ایسا دل کہ جو آنکھوں میں رکھ لینے کے قابل ہے

نظر اُٹھتی نہیں اب سرنگوں محشر میں قاتل ہے
یہ پہلے کیوں نہ سوچا تھا کہ بھاری خونِ بسمل ہے

محیطِ عشق اور کشتیِ دل مشکل سی مشکل ہے
کہ اک دریا ہی دریا ہے کہیں تہ ہے نہ ساحل ہے

نہ رونا فاصلے کا ہے نہ پردہ کوئی حائل ہے
مری کوتہ نگاہی مانعِ دیدارِ قاتل ہے

جو مٹتے ہیں یہاں وہ زندۂ جاوید ہوتے ہیں
یہاں کی کچھ ہوا ہی اور ہے یہ کوئے قاتل ہے

نہ ہو جنبش لبوں کو نزع میں بھی سامنے اُن کے
یہ منزل آخری اے جذبۂ خودداریِ دل ہے

اب آتا ہے کنارا۔ اب پہنچتے ہیں کنارے پہ
یہی تو اک توقع بادبانِ کشتیِ دل ہے

تمنّائے شہادت کے نکلنے کی خوشی کیسی
کہ اب دل کو ملالِ زحمتِ بازوئے قاتل ہے

محبّت ایک مخفی جذبۂ پُر کیف ہے دل کا
یہ افسانہ سمجھنے کے نہ سمجھانے کے قابل ہے

پہنچ ہی جائے گی تیری خبر اے ڈوبنے والے
کہ طوفان خیز موجوں کی رسائی تا بہ ساحل ہے

نہ جانے کیا غضب تھا وہ قیامت آفریں جلوہ
کہ اک ہیجان برپا درمیانِ دیدہ و دل ہے

تم اپنی بزم میں برہم نہ ہو دل کے تڑپنے سے
کہ یہ وحشت زدہ ناواقفِ آدابِ محفل ہے

جو آنکھیں ہوں تو نظّارے بھی لامحدود ہوتے ہیں
جدھر اٹھتی ہے مجنوں کی نظر محمل ہی محمل ہے

قدم واماندہ۔ رستہ پُر خطر۔ تف بے پرگشتہ
مگر تو اے نگاہِ مضطرب جویائے منزل ہے

حدیں دریائے موجودات کی تم نے بنا دی ہیں
ازل بھی ایک ساحل تھا ابد بھی ایک ساحل ہے

نہ تھا آسان عالمگیر جلووں کا سما جانا
انھیں بھی اب تو کچھ کچھ اعترافِ وسعتِ دل ہے

نم آلودہ ہی رکھے گا زمینِ کوئے قاتل کو
نہ ہوگا خشک اے ندرت کبھی یہ خونِ بسمل ہے

اُس تیرِ سینہ دوز کو اب کیا تلاش ہے
دل پارہ پارہ ہے تو جگر پاش پاش ہے

اِک تو کہ حسنِ شوخ ترا جلوہ پاش ہے
اِک میں کہ مجھ کو حسنِ نظر کی تلاش ہے

مرنا ہی تھا نصیب میں جس کے وہ مر چکا
ٹھکرا کے اب نہ پوچھئے یہ کس کی لاش ہے

ہے ناخنِ جنوں کا بھی کیا دور رس اثر
دیتی ہے خون آنکھ جگر میں خراش ہے

اِک دل جلے کی آہ شرر بار ہی سہی
تیری نگاہِ گرم بھی تو برق پاش ہے

یہ کیا کہ فصلِ گل میں ذرا جی بہل گیا
اِک مستقل جنوں کی مجھ کو تلاش ہے

انجام بھی تو سوچئے۔ کاندھا نہ دیجئے
حسرت بھری شہیدِ محبت کی لاش ہے

دل سے چلے ہی آتے ہیں آنکھوں میں اشکِ خوں
شاید کہ اس زمین کا پردہ ہی فاش ہے

دامن ہے پیرہن میں ہمارے نہ آستیں
کیسی انوکھی کیسی نرالی تراش ہے

میں کیوں کہوں کہ میرا ٹھکانا کہیں نہیں
مدت سے رہگذر میں تری بود و باش ہے

سو ٹکڑے ہو گئے تو لب آتا ہے حالِ دل
میری خطا معاف کہ دل پاش پاش ہے

دامن کا سایہ ڈال دے اپنی ہی لاج کو
یعنی کہ بے کفن ترے بسمل کی لاش ہے

میں دل کو تھامتا ہوں تو گھبرائیں آپ کیوں
میرے لئے ہی نالہ مرا دل خراش ہے

قاتل ہی میرے حوصلے کا کچھ سفر نہیں
اب تک زبانِ تیغ پہ بھی "زندہ باش" ہے

مضطر نہ ہو جو سوزِ محبت سے شعلہ وار
ندرت وہ دل بغل میں نہیں دل کی لاش ہے

اتفاقاً وہ اگر مجھ کو کہیں ملتا ہے
کچھ برافروختہ کچھ چیں بہ جبیں ملتا ہے

رہتی ہے دیدۂ بیدار کی دنیا تاریک
عالمِ خواب میں وہ پردہ نشیں ملتا ہے

بادۂ مرگ کی تلخی سے گھبراتی کیوں ہو
خوابِ شیریں کا مزا زیرِ زمیں ملتا ہے

محفلِ دوست میں پرسش نہیں ہوتی پھر بھی
چین ملتا ہے جو دل کو تو وہیں ملتا ہے

چاند چھپ چھپ کے نکلتا ہے ہمیں کیا اے چرخ
دل پہ داغ ہمارا بھی کہیں ملتا ہے

موسمِ گل میں نہیں شکر کے سجدوں کی کمی
اب تو ہر نخلِ چمن سر بزمیں ملتا ہے

دیکھ کہتے ہیں اسے تکملۂ عجز و نیاز
خاک میں آج ترا خاک نشیں ملتا ہے

یہ صنم خانہ صنم خانہ ہے لیکن اے شیخ
اہلِ باطن کو خدا بھی تو یہیں ملتا ہے

دیکھتے ہی جھلک اُن کی تجھے مٹ جانا تھا
اب وہ موقع کہیں اے قلبِ حزیں ملتا ہے؟

ڈھونڈھتا ہے بشر آرام کو بالائے زمیں
اور آرام اُسے زیرِ زمیں ملتا ہے

چاہیئے اور ابھی مشقِ تصوّر ندرت
ملتے ملتے ہی تو وہ پردہ نشیں ملتا ہے

عشق محوِ بیخودی تھا حسن محوِ ناز تھا
کچھ ادھر بھی مصلحت تھی کچھ اُدھر بھی راز تھا

دام میں میرے تڑپنے کا عجب انداز تھا
ایک اک پر نوحہ خوانِ طاقتِ پرواز تھا

ہیں محبت میں سراپا پردہ دارِ راز تھا
یعنی میرا سازِ ہستی سانسِ بے آواز تھا

ایک ہستی پر رہیں ناکامیاں لاکھوں محیط
ابھی مری نظروں میں کیا ٹھہرے ہوئے آنسو کی قدر
شبنم ہیں یا پھول کھل کے ہوں گی دو دو باتیں آپ سے
بوئے گل۔ شبنم۔ نسیمِ صبح۔ رنگِ لالہ زار
مرگ انجامِ محبت ہے تو بعد از وقت ہے
کیا کیا تو نے خدا سمجھے تجھے اے آہِ سرد
تم نقاب الٹو سرِ محفل۔ نہ دیکھوں میں تمہیں
میں کہاں جاتا کہ فصلِ گل ہیں جب میرے لئے
دیکھتی ہے اب نظر تم کو یہ ہے تکمیلِ شوق
چٹکیاں لے لے کے اپنی بات کھو دی آپ نے
زندگی ہی ختم تھی افشائے رازِ غم کے ساتھ

آخر اس کو کوئی کیا سمجھے کہ یہ کیا راز تھا
آنکھ میں جب تک رہا سرمایۂ صد ناز تھا
وہ تو دنیا تھی جہاں رازِ محبت راز تھا
میں نہ تھا تو ہر کوئی آمادۂ پرواز تھا
زندگی جب تک رہی آغاز ہی آغاز تھا
دل نہ تھا میرا چراغِ بزم سوز و ساز تھا
تم بھی کچھ سمجھے کہ یہ کیا بات تھی کیا راز تھا
بند تھا توبہ کا در میخانہ کا در باز تھا
ڈھونڈھتی تھی جب نظر وہ شوق کا آغاز تھا
آپ کا دردِ محبت میرے دل کا راز تھا
نالۂ دل تھا کہ آوازِ شکستِ ساز تھا

ایک جھونکا تھا ہوا کا اک تڑپ شعلہ کی تھی
حضرت ندرت کو بھی کس زندگی پر ناز تھا

اگر دیکھ لے تیرا در آسماں
دکھاتا ہے اک عاقبت بیں کو کیا
یہ آفت پہ آفت خدا کی پناہ
دبائے گی اب زیرِ تربت "زمیں"
بہت دور ہے منزلِ شوقِ دید

اٹھائے نہ سجدے سے سر آسماں
تماشائے شام و سحر آسماں
ستم پیشہ تو۔ کینہ ور آسماں
ستاتا رہا عمر بھر آسماں"
نہیں منتہائے نظر آسماں

ہے بستر کو غربت میں فرشِ زمیں
ہے سایہ کو بالائے سر آسماں

ہمارے لئے راہِ اُمید میں
نہیں کوئی حائل۔ مگر آسماں

شبِ عیش کا خواب اچھا نہیں
دکھائے گا غم کی سحر آسماں

لگا دے ٹھکانے ہی ہم کو کہیں
پھراتا ہے کیوں دربدر آسماں

کہاں جائے اب ایک گردشِ نصیب
اِدھر آسماں ہے اُدھر آسماں

یہ نالے سے ندرت کو ہے احتمال
زمیں پہ نہ آئے نظر آسماں

وہ جوش وہ جذبہ ختم ہوا ابھی چھوٹ گیا دل بیٹھ گیا
اک گردِ رہ کی طرح آخر اک آوارۂ منزل بیٹھ گیا

بیدادِ ستم کے شکوے کو کیوں چھوڑ کے قاتل بیٹھ گیا
کیا پرسشِ محشر کا دل میں اندیشۂ باطل بیٹھ گیا

آزارِ محبت بھی لمحوں میں کیا کیا رنگ بدلتا ہے
یا درد کے طوفاں اُٹھتے تھے یا بالکل ہی دل بیٹھ گیا

قربان ہم اپنی قسمت کے پینے کے لئے کب پہنچے ہیں
اِک اِک کو بلا کر محفل میں جب ساقیِ محفل بیٹھ گیا

مجبورانہ بے ادبی کو کیسے دے نظر انداز اے قاتل
مانا کہ اُچھل کر دامن پر خونِ رگِ بسمل بیٹھ گیا

مقبول نہ ہوں گے سجدے کیوں نیت بھی وہی ہے دل بھی وہی
اُس در پہ نہ پہنچا میں نہ سہی اُس در کے مقابل بیٹھ گیا

بسمل کی نگاہِ بازپسیں کی چوٹ سنبھالی جاتی ہے
تلوار کو ہاتھ سے پھینک دیا دل تھام کے قاتل بیٹھ گیا

آنے جانے والے ہی اب کچھ بھیک خدا کی راہ میں دیں
میخانے کے دروازے پر میخانے کا سائل بیٹھ گیا

ندرت کی ہستی کا سفینہ یوں آج کنارے لگتا ہے
آنکھیں ٹھہریں منہ کا ڈھلکا نبضیں ڈوبیں دل بیٹھ گیا

نعت

نبی کریم صلعم

حاصل ہے زمیں کو بھی شرف عرش بریں کا
کرتے ہیں ملک طوف مزار شہ دیں کا

نبیوں میں وہی رتبہ ہے شاہنشہِ دیں کا
جو درجہ ملایک میں ہے جبریل امیں کا

اے خامۂ نقاشِ ازل تو ہی بتا دے
یہ مہر ہے یا عکس ہے حضرت کی جبیں کا

شاہوں سے بھی مشکل ہے مری رتبہ شناسی
یعنی کہ بھکاری ہوں در سرورِ دیں کا

خورشید پہ خنداں ہے قمر پہ متبسم
ہر ذرۂ تابندہ مدینہ کی زمیں کا

اے رحمتِ کونین اِدھر بھی نگہِ لطف
اب حال دگرگوں ہے مرے قلبِ حزیں کا

میرا تنِ خاکی بھی پھر اکسیر ہو ندرت!
بن جاؤں جو پیوند مدینہ کی زمیں کا

تصور میں لوٹوں بہارِ مدینہ
مرا دل بنے لالہ زارِ مدینہ

مری روح پژمردہ سی ہو چلی ہے
مدد اے نسیم بہارِ مدینہ

ملایک بھی تابع ہیں جن و بشر بھی
زہے سطوتِ تاجدارِ مدینہ

تمنائے سیر فردوس کیوں ہو
تماشائی جلوہ زارِ مدینہ

مری جانِ محزوں مرا قلبِ مضطر
فدائے مدینہ نثارِ مدینہ

تصور کا دامن ہے اب تختۂ گل
نظر میں ہیں نقش و نگارِ مدینہ

یہ حسرت ہے میں اپنی مژگاں سے ندرت
کروں صاف گرد و غبارِ مدینہ

معرفت

فضائے لبِ آبِ جو بن کے آیا
قمر کی، کواکب کی ضو بن کے آیا
گل و غنچہ میں رنگ و بو بن کے آیا
وہ سبزے میں جوشِ نمو بن کے آیا
بہارِ چمن ہو بہو بن کے آیا

وہ پھیلا کبھی بقعۂ نور ہو کر
وہ بھڑکا کبھی شعلۂ طور ہو کر
وہ چمکا کبھی تاجِ فغفور ہو کر
وہ گونجا کبھی قولِ منصور ہو کر
کبھی نغمۂ سازِ ہُو بن کے آیا

سمایا اثر بن کے آوازِ نے میں
صدائے مغنی میں مطرب کی لے میں
بنا رقصِ مستانہ ایک ایک شے میں
بڑھانے کو جوشِ طلب دورِ مے میں
صراحی و جام و سبو بن کے آیا

وہ صحنِ چمن میں بنا خندۂ گل
وہ کنجِ قفس میں بنا اشکِ بلبل
ادھر سروِ رعنا ادھر طوقِ صلصل
کہیں حسن کا بن گیا مظہرِ کل
کہیں عشق کی آرزو بن کے آیا

ہوئیں جب مصائب کی نازل بلائیں
اٹھیں غم کی جب ہر طرف سے گھٹائیں
نہ کام آسکیں جب دعائیں دوائیں
بڑھیں حد سے جب مجرموں کی خطائیں
وہ پیغامِ لاتقنطوا بن کے آیا

کبھی بن گیا سوز کا ساز و ساماں
کبھی بن گیا موجبِ راحتِ جاں

بدلتا رہا رنگ ہر لحظہ ہر آں ‎ ‎ ‎ کبھی درد بنکر ہوا دل میں پنہاں

کبھی درد کا چارہ جو بن کے آیا

اسی کی ہے مظہر شریعت طریقت ‎ ‎ ‎ وہی مسجد و خانقہ کی ہے زینت

اسی کا اُجالا ہے ہر گھر میں قدرت! ‎ ‎ ‎ کہیں بن گیا زاہدِ پاک طینت

کہیں صوفیِ نیک خو بن کے آیا